آگرہ بازار
حبیب تنویر

آگرہ بازار

حبیب تنویر

اُردو گھر ○ یونیورسٹی مارکٹ ○ علی گڑھ

سن اشاعت ـــــــــــ ۱۹۸۳
تعداد ـــــــــــ ایک ہزار
قیمت ـــــــــــ

کتابت: حسن رضا
طباعت: شیروانی پریس دہلی

کردار:

فقیر — ایک لڑکا (خبیث)
لڈو والا — پان والا
کن میلیا — برتن والا
برف والا — درزی
تربوز والا — قوال
ککڑی والا — کریمن
پان والا — رامو
مداری — چمیلی
چنے والا — چند ہیجڑے
کمھار — داروغہ
راہ گیر — نظیر کی نواسی
ہمجولی — پنساری
شاعر — تماشبین
کتب فروش — بے نظیر
تذکرہ نویس — حمید
گاہک — بینی پرشاد
دیہاتیوں کی ایک ٹولی — اجنبی
شہدا — دو سپاہی
بے نظیر — طبلچی اور سارنگیا

پہلا ایکٹ

دو فقیر "شہر آشوب" گاتے ہوئے ہال کے اندر سے داخل ہو کر اسٹیج پر جاتے ہیں۔ کفنی پہنے، ایک ہاتھ میں کشکول اور تسبیح اور دوسرے میں ایک ڈنڈا اور لوہے کے کڑے لئے۔ پردے کے سامنے کھڑے ہو کر نظم سناتے ہیں اور تال پر کڑے بجاتے جاتے ہیں۔ نظم کے آخری بند کے اختتام پر پردہ کھلتا ہے۔ اسٹیج پر بازار لگا ہے۔ فقیر گاتے ہوئے اسٹیج پر سے گذر جاتے ہیں۔

فقیر : ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موجدار بند ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

ظراف بنئے جوہری اور سیٹھ ساہوکار دیتے تھے سب کو نقد سو کھاتے ہیں اب اُدھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار بیٹھے ہیں یوں دوکانوں میں اپنی دوکاندار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات — سب پر پڑی ہیں آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دُکھ کو روئیے اور کس کی کہیے بات — روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

حجام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا دَور — پیسہ کہاں جو سان پہ ہو اُسترون کا شور
کانپے ہے سر بھگوتے ہوئے اس کی پور پور — کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کور
یاں تک ہے اُسترے و نہرنی کی دھار بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ — پھوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ
ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا نباہ — وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور نہ اُجڑے آہ
جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ خار بند

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے — مُلا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
مُفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے — شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اس نے لکھے پانچ چار بند

بازار پر عجب بے رونقی ہے۔ تل کے لڈو والا، لکڑی والا اور دوسرے پھیری والے آواز لگاتے ہیں لیکن کہیں شنوائی نہیں ہوتی۔ پس منظر میں ایک نسوانی آواز طبلے اور سارنگی پر غزل گا رہی ہے۔ دوکانوں کے اوپر کوٹھے آباد ہیں۔ پتنگ والے کی دوکان بند ہے۔ کتب فروش کے ہاں دو گاہک کھڑے کتابیں دیکھ رہے ہیں۔ جب لکڑی والا یہاں آکر لکڑی بیچنے کی کوشش کرتا ہے، گاہک کتاب کی دوکان سے نکل کر پان والے کے یہاں پہنچ جاتے ہیں اور کتب فروش اپنے حساب کتاب میں لگ جاتا ہے

لڈو والا : دھیلے کے چھ چھ میاں جی دھیلے کے چھ چھ۔ ہم سے سدا کوئی نہ بیچے۔ دھیلے کے چھ لالہ جی، دھیلے کے چھ چھ (ایک بچے سے) چکھ کے دیکھو میاں، تل کے لڈو مصری کے سمان میٹھے، لو کھاؤ (بچہ منہ پھیر لیتا ہے)

کن میلیا : دانت کرید دکان کا میل نکالو ایک چھدام میں۔ ایک چھدام میں دو کام۔ ایک

پنتھ دو کاج۔ دانت کا دانت کریدو کان کا میل نکالو ایک چھدام میں۔

برف والا : ملائی کی برف کو۔ برف کو ملائی کی برف کو

تربوز والا : تربوز، ٹھنڈا تربوز، تربوز ٹھنڈا تربوز، کلیجے کی ٹھنڈک، آنکھوں کی تری، شربت کے کٹورے، ٹھنڈا تربوز، دل کی گرمی نکالنے والا، جگر کی پیاس بجھانے والا، ٹھنڈا تربوز۔

راہ گیر بے نیازی سے گذر جاتے ہیں

ککڑی والا : تازہ ککڑیاں ہاں ہاں تازہ ککڑیاں۔ کرکری، ہری بھری، دمڑی کی چار، کھا کر دیکھئے صاحب، ریشم کی طرح ملائم، گنے کی سی میٹھی، خاص اسکندرے کی، تازہ ککڑیاں، ہاں ہاں تازہ ککڑیاں۔

پان والا : آؤ بابو جی بنارسیوں میں۔ بنارسیوں کے ٹکڑے لگا دئے ہیں۔ پان کھاؤ منھ رچاؤ۔ الائچیاں کتر ڈالی ہیں الائچیاں۔ بڑے بڑے ٹکڑے لگا دئے ہیں بڑے بڑے۔

ککڑی والا : (لڈو والے سے) پھر تو میری جگہ پر بیٹھا؟

لڈو والا : تبھی تو میرے لڈو نہیں بک رہے ہیں (آواز لگاتے ہوئے) مندا مال ہے۔ گھنٹے دو گھنٹے میں ختم ہوا جاتا ہے۔ سویرے سے دو سو لڈو بیچ چکا ہوں، ابھی ہے دو گھڑی بعد ملے نہ ملے۔

ککڑی والا : میری جگہ پر بیٹھا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ سویرے سے دو سو لڈو بیچ چکا ہوں۔

لڈو والا : پھر کیا کہوں دس دن سے ایک لڈو نہیں بیچا ہے۔ یہ بیوپار کی بات ہے میری جان، یہاں باتوں کے پیسے ملتے ہیں (آواز لگاتے ہوئے) دھیلے کے میاں جی چھ چھ۔ ہم سے مندا کوئی نہ بیچے۔ لالہ جی دھیلے کے چھ چھ۔

ککڑی والا : چل اُٹھ میری جگہ سے۔

لڈو والا : ابے جا۔

ککڑی والا : ابے تو اکڑتا کاہے کو ہے۔

لڈو والا : اب تو جاستی زبان تو چلا نہیں۔ ناک کی پھلنگ میں دم کر دیا۔ اماں باوا کرکے

مر گئے اور ہم آفت میں پھنس گئے۔

ککڑی والا: ابے چچیا، کیوں خون اونٹاتا ہے۔ ابے باز آجا۔

لڈّو والا: ابے کالئے تو کدھر سے نمودار ہو گیا۔ ہٹ جا یہاں سے، دیکھتا نہیں کالی چیز کو دیکھ کے گاہک بدک جاتے ہیں۔

ککڑی والا: مخریز کرتا ہے۔ خدا قسم یہ اپنے باپ سے بھی کھلی بازی کرتا ہوگا (آواز لگاتے ہوئے) دمڑی کی چار، ریشم کی طرح ملائم، گنّے کی سی میٹھی، خاص اسکندرے کی، دمڑی کی چار، تازہ ککڑیاں ہاں ہاں تازہ ککڑیاں۔

کچھ لوگ داخل ہوتے ہیں، ککڑی والا آواز لگاتا ہوا ان کی طرف بڑھتا ہے اور ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اتنے میں ایک مداری دائیں طرف سے بندر لئے ہوئے داخل ہوتا ہے اور اپنے تماشے سے عجب رنگ جما دیتا ہے۔ پھیری والے، بچے، رنگے اور راستہ چلنے والے سب اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ شور تھم جاتا ہے اور پہلی بار مداری کے فقرے صاف سمجھ میں آتے ہیں۔

مداری: (بندر نچاتا ہے) ہاں جرا ناچ دکھا دو ناچ، آگرہ سہر میں ناچ دکھا دو! بچہ لوگ ایک ہاتھ کا تالی بجاؤ۔ اچھا جرا بتاؤ تو ہولی میں مردنگ کیسے بجاؤ نگے؟ (بندر مردنگ بجاتا ہے) اور پتنگ کیسے اڑاؤ نگے؟ (بندر نقل کرتا ہے) اور بانکے بن کر مہادیو جی کے میلے میں کیسے جاؤ نگے؟ (بندر کج کلاہی کی چال چلتا ہے) اور برسات آگیا تو؟ (بندر پھسل جاتا ہے) پھسل پڑو نگے؟ ارے بھئی واہ۔ اور اگر ٹھنڈی لگی تو؟ (بندر بدن میں کپکپی پیدا کرتا ہے) اور بڈھا ہو گیا تو؟ (بندر لاٹھی ٹیک کر چلتا ہے) اور مر گیا تو؟ (بندر لیٹ جاتا ہے) ہندو کو رام کی کسم اور مسلمان کو کرآن کی کسم، جرا ایک ایک کدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ اچھا اب بتاؤ نادر ساہ دلّی پر کیسا جھپٹا تھا؟ (بندر مداری کو ایک لاٹھی مارتا ہے) ارے تم تو سارے دلّی سہر کو مار ڈالو گے! بس کرو بڑے میاں بس کرو۔ اچھا احمد ساہ ابدالی دلّی پر کیسا جھپٹا تھا؟ (بندر لاٹھی مارتا ہے) ہاں ہاں!!! تم تو سارے ہندستان کو روند ڈالو گے۔ بس کرو بڑے میاں بس کرو۔

اور سورج مل جاٹ آگرہ سہر پر کیسا جھپٹا تھا؟ (وہی نقل) او ہو ہو مر گیا مر گیا۔ بس کرو بڑے میاں بس کرو۔ اچھا بتاؤ پھرنگی ہندستان میں کیسا آیا تھا؟ (بندر بھیک مانگنے کی نقل کرتا ہے) اور پلاسی کے لڑائی میں لاٹ صاحب نے کیا کیا تھا؟ (بندر لاٹھی سے بندوق چلاتا ہے) فیر کردیا تھا؛ او ہو ہو۔ اور بنگال میں کیا ہوا تھا؟ (بندر پیٹ بجاتا ہے اور کمزوری کا اظہار کرتا ہے) اکال پڑ گیا تھا (بندر لیٹ جاتا ہے) لوگ باگ بھوک سے مر گیا تھا۔ اور ہمارا کیسا حالت ہے؟ (بندر پھر پیٹ بجاتا ہے) اور کل ہمارا کیسا حالت ہو جائیں گا؟ (بندر، گر جاتا ہے) پھر ہمارے کو کیا کرنا چاہیئے؟ (بندر لوگوں کے پاس جاتا ہے اور پیروں پر سر رکھ کر لیٹ جاتا ہے) سلام کرو (بندر سلام کرتا ہے، لوگ کھسکنے لگتے ہیں)

ککڑی والا : اسکندرے کی ککڑی۔ دمڑی کی چار۔

لڈو والا : بابوجی دھیلے کے چھ چھ۔ دھیلے کے چھ چھ۔

تربوز والا : گرمیوں کی جان، تربوز ٹھنڈا تربوز۔

مداری : سلام کرو (بندر پان کی دوکان پر جو دائیں راستے کے قریب ہے، ایک آدمی کے پاس جاکر کھڑا ہو جاتا ہے اور سلام کرتا ہے)

ککڑی والا : (اسی آدمی سے) تازہ ککڑیاں ہاں ہاں تازہ ککڑیاں۔ کھا کے دیکھئے صاحب، ہری بھری کرکری ککڑی، ریشم کی طرح ملائم، گنے کی سی میٹھی۔ (آدمی چلا جاتا ہے، مداری غصے میں جھپٹتا ہے اور ککڑی والے کے ہاتھ سے ٹوکرا چھین کر پھینک دیتا ہے۔ ساری ککڑیاں سڑک پر بکھر جاتی ہیں)

مداری : بڑا آیا ککڑی بیچنے والا۔ ہم ایک لکڑی دیں گا تو ککڑی وکڑی سب بھول جائیں گا۔

ککڑی والا : بندر کہیں کا۔

مداری : ابھی تیرا بندر بنا کر رکھ دیں گا۔ سالا آیا ہے ککڑی بیچنے۔ ککڑی دکھا دکھا کے ہمارا سب آدمی بھگا دیا۔

لڈو والا : ارے کیا بات ہے؟

تربوز والا : مارو سالے اس مداری کے بچے کو۔

مداری : ہمارا سب آدمی بھگا دیا۔

لکڑی والا : میں تو اپنی لکڑی بیچ رہا تھا۔

مداری : لکڑی بیچ رہا تھا، یہی جگہ بچا تھا لکڑی بیچنے کے لئے۔

لڈو والا : کیوں تو خود ہی اپنی کمائی کے ٹھیکرے میں چھید کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ تیرا آدمی بھلا وہ کیا بھگائے گا۔ جانتا نہیں آج کل پیسے کا نام سنتے ہی لوگ رفوچکر ہو جاتے ہیں۔

تربوز والا : (لڈو والے سے) بھگوان جھوٹ نہ بلوائے بھیا۔ دس دن سے ایک تربوز بھی نہیں بیچا ہے ہم نے۔

مداری : ابھی وہ آدمی ہم کو پیسہ دے رہا تھا اس نے بیچ میں اپنی لکڑی گھسیڑ دیا۔

لڈو والا : اچھا بس جاؤ اپنا راستہ لو۔

مداری : رستہ تمہارے باپ کا ہے۔

لڈو والا : ابے منھ سنبھال کر بات کرنا، سمجھا۔

مداری : بڑا لاٹ صاحب آیا ہے!

تربوز والا : مار سالے کو۔

لکڑی والا : (دائیں کونے سے) لوگوں کے پاس کھانے کو تو پیسہ ہے نہیں اس کا بندر دیکھنے کے لئے پیسہ دیں گے۔

لڈو والا : بچو، کھال کھینچ کے رکھ دوں گا، کیا سمجھتا ہے!

تربوز والا : چل نکل یہاں سے۔

مداری : واہ رے آگرہ، کیا اوندھا سہر ہے! (جاتا ہے)

لکڑی والا : حرامی پِلّا۔

فقیر آتے ہیں

فقیر : اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

پکڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے — لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے

باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے — سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے

جتنے ہیں رُوپ سب یہ دِکھاتی ہیں رُوٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سُن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے

بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام
یا چکی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
یاں سر جھکا کے کیجے ڈنڈوت اور سلام
اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام

پہلے انہیں مکانوں میں آتی ہیں رُوٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو
میلے کی سیر خواہشِ باغ و چمن نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو
سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

فقیر چلے جاتے ہیں

ریوڑی والا: گلابی ریوڑیاں ۔ میری ریوڑیاں ہیں تر ۔ بابو لیتے جانا گھر ۔ کھانا چار یار مل کر۔ گلابی ریوڑیاں۔

کن میلیا : ایک چھدام میں دو کام ۔ دانت کا دانت کرید و کان کا میل نکالو ایک چھدام میں۔

تربوز والا : تربوز ، ٹھنڈا ، میٹھا۔

لڈو والا : لالہ جی ، دھیلے کے چھے چھے ۔

برف والا : ملائی کی برف کو۔

چنے والا : چنا جور گرم بابو میں لایا مزیدار چنا جور گرم ۔ آگرہ سہر بڑا گلدستہ ۔ جس میں بنتے چنے یہ خستہ ۔ پیسے والے کو ہے سستا ۔ لڑکا مار بغل میں بستا ۔ لیا اسکول کا یہ دھار ۔

اگر کھاوے چنے یہ خستہ۔ کھا کر جائے مدرسے ہنستا۔ چنا جور گرم۔

پتنگ کی دوکان پر دو آدمی شروع سے جوئے میں منہمک تھے۔ ایک لڑکا ان میں سے ایک کے سر پر چمپی کر رہا تھا۔ پہلا جواری جو بظاہر پیسے ہار رہا تھا، سٹ پٹا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اپنا راستہ لیتا ہے۔

لکڑی والا: ارے واہ رے میرے یار کیا سوجھی ہے؟ (پیچھے کے راستے سے جانا چاہتا ہے)

لڈو والا: ابے کالے کیا سوجھی؟

لکڑی والا: بالکل نئی بات۔

لڈو والا: آتم ہتھیا کی تو نہیں سوجھی؟

لکڑی والا: آتم ہتھیا کرے مورکھ۔ گیانی کے لئے سنسار میں بہت رستے کھلے ہیں (دروازے کے پاس رک کر)

تربوز والا: کون سی گیان کی بات سوجھی ہے تجھے، ہم بھی تو سنیں۔

لکڑی والا: جو سوچ نہیں سکتے، وہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔

لڈو والا: جور لگا کے دیکھیں گے۔

لکڑی والا: اب دیکھتا ہوں کیسے نہیں بکتی مری لکڑی۔

تربوز والا: بندر نچانے والے ہو گیا بھیا؟

لڈو والا: بندر نچانے کے لئے کہاں سے پیسے آئیں گے، خود ناچ ناچ کر لکڑی بیچے گا۔

تربوز والا: کیا بات ہے ہم کو بتا دو گے تو جات میں پھرک آ جائے گا کیا بھیا؟

لکڑی والا: بیوپار کی بات ہر کسی کو بتاتے ہے تو کی چکے پیسہ۔

لڈو والا: بڑا تیس مار خاں بنتا ہے۔ بتاتا کیوں نہیں کیا بات ہے؟ (لکڑی والے کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے)

لکڑی والا: نہیں بتاؤں کا کیا کرتے ہو کر لو۔

لٹّو والا : ابے کالئے کہیں تیری گُدّی نہ ناپ دوں!

ککڑی والا: گُدّی کیا ناپے گا تو۔ کہیں میں ہی تیری تھوتھنی نہ رگڑ دوں!

لٹّو والا : ابے زبان سنبھال کر بات کر۔ کبھی کسی گھمنڈ میں ہو۔ بڑا افلاطون کا سالا۔ اچھا جنگ چھوڑ بتا کیا بات ہے؟

ککڑی والا: آج ہم کو یہی دیکھنا ہے کہ تیری ہیکڑی چلتی ہے یا میری۔ بڑا اسکندرِ اعظم بن کر آیا ہے۔

لٹّو والا : مرنے نکلے کفن کا ٹوٹا۔ ابے کیوں ہتھیا دیتا پھر رہا ہے۔ دو گھونسے ایسے لگاؤں گا کہ ابھی تیرا لڈو بنا دوں گا۔

ککڑی والا: ابے میں کہتا ہوں تیری ریڑی نہ گھونٹ دوں۔

لٹّو والا : پاؤ بھر کی ہڈیاں پیس کے دھر دوں گا۔

ککڑی والا : اچھا تو آج تجھے بھی قسم ہے۔ یہ ہڈیاں پیس کے دھر دے گا۔

لٹّو والا : ایسا دوں گا مُنھ پھر جائے گا۔

ککڑی والا: ابے ایک گدا ماروں گا تو گرد آباد کر دوں گا۔ مُنھ گدّی میں جا لگے گا۔ زبان کٹ کے گر جائے گی گدی کسی خیال میں ہو۔

لٹّو والا : ابے کالئے تو اپنی بتیسی سنبھال

تربوز والا: ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو؟

لٹّو والا : ماش کے آٹے کی طرح اکڑا جا رہا ہے۔

ککڑی والا: ابے میں اکڑ رہا ہوں یا تو؟

تربوز والا: ارے یہ دنگا بند کرو بھیا۔

لٹّو والا : ابے چار اُٹھا کے لے جائیں گے چار۔

تربوز والا : اچھا آؤ آؤ اب غصہ تھوک دو۔

ککڑی والا : تم چپ رہو جی۔ سمجھے!

لٹّو والا : تم بیچ میں ٹانگ مت اڑاؤ۔ میں نپٹ لوں گا آج اس کالئے کے بچے سے۔

تربوز والا : اِبے ہر کسی پہ بگڑ بیٹھے گا۔ آج دو روٹی زیادہ کھالینا اور کیا۔

لڈو والا : چپ۔

تربوز والا : تم سمجھتے ہو ذرا آواز اٹھا کر ہر کسی کو دبا لو گے؟

لڈو والا : چپ رہتا ہے کہ تجھے بھی دوں ایک!

تربوز والا : عجب ہونق ہے۔ ابے کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو!

لڈو والا : تیرا باپ۔

تربوز والا : کیا کہا؟

لڈو والا : پھر کہوں؟

تربوز والا : ابے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے تیری پھانکیں تراش دوں گا۔

لڈو والا : بیٹا کچے کو چبا جاؤں گا۔ تنکے تنکے کر دوں گا تنکے تنکے۔

بوٹ والا : ابے چپ رہو۔ کان کھا لئے۔ زبان ہے کہ درزی کی قینچی کی طرح چلتی ہی جاتی ہے

لڈو والا : ابے تیری بھی شامت آئی ہے۔ اچھا تو بھی آجا میدان میں۔ اس کالے کے ساتھ تجھے بھی دھوبی پاٹ پہ نہ دھر مارا تو میرا بھی نام نہیں۔

ریوڑی والا: ابے کیوں تم لوگوں کی کھال نے پلٹا کھایا ہے۔ چپکے ہو جاؤ۔

لکڑی والا: ابے پنیٹر دوں کی بات ہم سے مت کرنا۔ خدا قسم، ہم حاجی شریف الدین کی تعلیم کے ہیں۔ ایسی چپت دوں گا کہ ابھی اڑنچھو ہو گا۔ قسم ہے کلاوڈو کی۔

لڈو والا : ابے شریف الدین کس چڑیا کا نام ہے۔ بڑا آیا حاجی شریف الدین کا۔

لکڑی والا: اب زیادہ مت بول، نہیں تو سمجھ لے میری آنکھوں میں بھی خون سوار ہے۔

لڈو والا : ابے ملیا میٹ کر دوں گا۔ بڑا چودھری بنا پھرتا ہے۔

لکڑی والا: مادر چود!

گتھم گتھا ہو جاتی ہے۔ سب اپنے اپنے خوانچے چھوڑ کر جھگڑے میں لگ گئے ہیں۔

موقع غنیمت پا کر کچھ اُچکے اور بازار کے لونڈے ریوڑیاں، لکڑی، لڈو وغیرہ لوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے فساد اور بڑھتا ہے۔ کمہار کے ایک دو برتن

ٹوٹ جاتے ہیں ۔ لوگ اپنی اپنی دکانیں بند کر لیتے ہیں۔
فقیر گاتے ہوئے اندر آتے ہیں ۔

فقیر : یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مُفلسی

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر — دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر — جس طرح کتے لڑتے ہیں ایک استخوان پر

ویسا ہی مُفلسوں کو لڑاتی ہے مُفلسی
یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مُفلسی

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں — مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اسے بے بتاتے ہیں — وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں

ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی
یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل — کوئی گدھا کہے اسے ٹھہراوے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل — مُنھ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل

سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی
یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

باہر چلے جاتے ہیں

کمہار : ایسے لڑے کہ خوب لڑے، خوب ہی لڑے ۔ ابے میں نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا تھا۔ ایک تو مندا بازار، اوپر سے یہ ٹوٹا۔ میری دو ٹھلیاں پھوڑ دیں سالوں نے۔

ککڑی والا : پھر بھی پچاس ابھی اور ہوں گی تمھارے پاس ۔ یہاں تو یار خاں کا دیولہ نکل گیا۔ کل بارش میں ککڑیاں برباد ہو گئیں ، اور آج چار آنے کا ادھا مال لے کر آیا تھا جس میں آدھا صاف ۔

لڈو والا : ابے کالئے تو نے ہی جھگڑا شروع کیا تھا۔ بس اب چپکا بیٹھا رہ ۔

تربوز والا : بس اب پھر سے مت چھیڑ خانی نکالو، نہیں تو نہ تمھارے پاس ایک لڈو بچے گا

نہ میرے پاس ایک تربوز۔

گکڑی والا : (ایک باٹے کو گنگناتا دیکھ کر) میاں!

راہ گیر : کیا ہے میاں؟

گکڑی والا : آپ بُرا نہ مانیں تو آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

راہ گیر : فرمائیے۔

گکڑی والا : کیا آپ شاعری کرتے ہیں؟

راہ گیر : ابھی تک تو توفیق نہیں ہوئی۔ مگر آپ کو مطلب؟

گکڑی والا : یونہی!

راہ گیر : عجب پاگلوں سے سابقہ پڑتا ہے۔

چلا جاتا ہے

شاعر : (بھولی کے ساتھ آتے آتے رُک کر) کہتے ہیں اور کیا خوب کہتے ہیں ؎

نہ ملی میراب کے امیروں سے تو

ہوئے ہیں فقیر ان کی دولت سے ہم

بھولی : سبحان اللہ۔

گکڑی والا : (پاس جاکر) واہ میاں، واہ، کیا کہنے ہیں! میاں میری بھی ایک چھوٹی سی عرض ہے!

شاعر : نہیں چاہیے بھئی۔

گکڑی والا : جی نہیں مجھے کچھ اور کہنا ہے۔ اگر ذرا آپ میرے ساتھ ایک طرف آجاتے۔

شاعر : اماں کیا بات ہے؟

گکڑی والا : سوال میرے پیٹ کا ہے حضور، گکڑی بیچوں گا اور آپ کو ساری عمر دعائیں دوں گا اگر میری ککڑیوں پر آپ، معاف کیجئے.... مجھے ایک بات سوجھی ہے! صبح سے شام تک پھیری لگاتا ہوں۔ کئی ہفتے ہو گئے۔ دھیلے کی بکری نہیں ہوئی۔

شاعر : میں نے عرض کیا مجھے نہیں چاہیئے آپ کی گکڑی۔
گکڑی والا : میں کب کہہ رہا ہوں میاں ؟ بلکہ آپ میری یہ ساری گکڑیاں پھوکٹ ہی میں لے لیجئے۔
شاعر : دق کر رکھا ہے۔ اماں تم چاہتے کیا ہو کہتے کیوں نہیں ؟
گکڑی والا : میں نے سوچا ہے کہ گا کر گکڑیاں بیچوں گا تو خوب بکیں گی۔
شاعر : بہت خوب۔ مبارک !
گکڑی والا : اگر آپ دو چار شعر میری گکڑیوں پر لکھ دیتے تو میں آپ کا بڑا احسان مانتا۔

شاعر قہقہہ لگاتا ہے

شاعر : ارے بھائی ہماری کیا حقیقت ہے۔ کہو تو کسی استاد سے لکھوا دیں تمہارے لئے ایک پورا قصیدہ۔
ھمجولی : کیا بات ہے ؟
شاعر : کہتے ہیں کہ ہماری گکڑیوں پر دو چار شعر لکھ دیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ کہو تو استاد ذوق سے کہہ کر اس نایاب موضوع پر ایک نظم لکھوا دیں۔
ھمجولی : بجا فرمایا —— ارے بھائی استاد ذوق کا نام سنا ہے ؟
گکڑی والا : ہم کیا جانیں حضور گنوار آدمی !
شاعر : بات تو بڑی سمجھ بوجھ کی کرتے ہو۔ گنواروں کو یہ کہاں سوجھے گی۔
ھمجولی : بادشاہ سلامت کے استاد ہیں، اگر تعریف کریں تو ذرے کو آفتاب بنا دیں !
گکڑی والا : اتنے بڑے شاعر، بھلا وہ سڑی سی گکڑی پر کیا شعر کہیں گے۔
شاعر : کیوں نہیں کہیں گے ؟ شاعر جو ٹھہرے۔
گکڑی والا : ہماری دربار تک کیا پہنچ ہو گی میاں !
شاعر : کہو تو ہم پہنچا دیں۔
گکڑی والا : آپ تو غریب آدمی کا مذاق اڑاتے ہیں۔
شاعر : بھئی صاف بات یہ ہے کہ گکڑی جیسے حسین موضوع پر جب تک کوئی پایہ کا شاعر زور آزمائی نہ کرے، حق ادا نہ ہو گا۔ اور ہم ٹھہرے نو مشق ! اس لئے ہمارے

بس کا توروگ ہے نہیں۔

(ہنستے ہوئے دونوں کتب فروش کی دوکان کی طرف بڑھ جاتے ہیں)

تربوز والا : (شاعر نما آدمی کی طرف بڑھتا ہے اور اسے راستے میں روک کر کہتا ہے) تربوز، ٹھنڈا تربوز، کلیجے کی ٹھنڈک، آنکھوں کی تری، گرمیوں کی جان، شربت کے کٹورے! دل کی گرمی نکالنے والا جگر کی پیاس بجھانے والا۔ ذرا چکھ کے دیکھئے صاحب ٹھنڈا میٹھا تربوز۔

شاعر : بھئی دیکھو، یوں تمہارا مال نہیں بکے گا۔ ایسا کرو کہ تم بھی اپنے تربوز پر کسی مرزا یا میر صاحب سے کچھ شعر لکھوالو، پھر اہلِ سخن کی داد میں ہم بھی خرید لیں گے تمہارے پاس سے تربوز۔ (ہنس کے آگے بڑھ جاتا ہے)

ریوڑی والا :

تربوز والا : (دائیں طرف لڈو والے کے پاس جاکر) جانتے ہو کیا بات تھی بھیا! لکڑی پر شعر لکھوانا چاہتے ہیں کسی شاعر سے!

لڈو والا : اے تو وہی شعر کیوں نہیں یاد کر لیتا جو مداری نے کہا تھا۔ کھا لو لکڑی ورنہ نہیں تو دوں گا لکڑی۔

تربوز والا : ہاں اور کیا (دونوں ہنستے ہیں)

لڈو والا : (ہنس کر) ساعر اگر لکڑی تربوج پر سعر کہنے لگے تو پھر ساعری چھوڑ، لکڑی تربوج نہ بیچنے لگے؟ (برتن والا اور دوسرے لوگ ہنستے ہیں)

تربوز والا : کیوں نہ لڈو تربوز بیچنا چھوڑ کے ہم بھی کویتا رچنا شروع کردیں۔ بھوکا مرنا ٹھیرا تو یونہی سہی! کیوں بھیا!

شاعر : (کتب فروش کی دوکان پر ایک کتاب دیکھتے ہوئے) ملاحظہ کیجئے، کہتے ہیں ؎

دلّی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں
تھا کل تلک دماغ جنھیں تخت و تاج کا

کتب فروش : (اپنی مسند پر بیٹھے بیٹھے) واہ وا! سبحان اللہ۔ سنا ہے جنون کے دورے پڑنے لگے ہیں ان دنوں میر صاحب پر!

شاعر : دم غنیمت سمجھیے۔ اسّی سے اوپر عمر ہونے کو آئی۔

ھجولی : اور پھر کیا کیا زمانے دیکھے ہیں میر صاحب نے! اسی شہر میں عزیزوں کی بیوفائی دیکھی۔ گھر چھوڑا، وطن چھوڑا، دلّی چھوڑی کہ ایک زمانے میں سخن دانوں اور باکمالوں کا ملجا و ماویٰ تھی، در در کی خاک چھانی، ایرانیوں اور تورانیوں کے حملے دیکھے، افغانوں، روہیلوں، راجپوتوں، جاٹوں اور مراٹھوں کی دستبرد دیکھی، دیکھا کہ دلّی کی گلیوں میں خون کے دریا رواں ہیں اور انسانوں کے سر کٹوروں کی طرح تیر رہے ہیں۔ اپنا گھر آنکھوں کے سامنے لٹتے دیکھا ع

"گھر جلا سامنے ایسا کہ بجھایا نہ گیا"

یہ سب دیکھا، اب لکھنؤ میں گوشہ نشین ہیں اور فرنگیوں کی غارتگری دیکھ رہے ہیں۔

کتب فروش : سچ کہتے ہو بھائی! عجب گردشوں کا زمانہ ہے۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سلطنت مغلیہ نہیں ہے ایک زبردست قوی ہیکل شیر ببر ہے جس پر سیکڑوں کتّے بلّیوں نے حملہ کر دیا ہے اور اسے زخموں سے چور اور لاچار دیکھ کر آسمان سے چیل اور گدھ بھی جمع ہو گئے ہیں اور ٹھونگیں مار مار کر اس کی تکا بوٹی کر رہے ہیں اور وہ شیر ہے کہ نہ تو اسے کراہنے کی مہلت ہے، نہ مر جانے کا یارا!

شاعر : بھئی بہت خوب مولوی صاحب، واللہ یہ آپ ہی کا حصّہ ہے۔ یہ زبان اور یہ اندازِ گفتگو! ہم تو نام کے شاعر ہیں صاحب، آپ تو بات بات میں شاعری کرتے ہیں۔

کتب فروش : یہ آپ حضرات کی صحبت کا نتیجہ ہے اور کیا؟

ھجولی : آپ دونوں کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہیں۔

شاعر : ہماری کسرِ نفسی کہہ لیجیے یا اپنا حسنِ ظن! بہر حال صاحب ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ دیوان بھی چھپوایا جائے تو ایسے شخص سے جو سخن فہم ہو۔

کتب فروش : اور اپنا یہ ایمان ہے کہ شعر چھاپے جائیں تو شاعر کے (شانے پر ہاتھ رکھ کر) ہر کس و ناکس کے اشعار چھاپنا ہمارا پیشہ نہیں۔

ھجولی : (شاعر سے) آپ کا دیوان تو اب مکمل ہو گیا ہوگا؟

شاعر : صاحب شاعر کا کلام اس کی زندگی کے ساتھ ہی تکمیل کو پہنچتا ہے۔ بہرحال اتنے شعر ضرور ہو گئے ہیں کہ کتابی صورت میں آجائیں۔

کتب فروش : لیجئے۔ اور اس کا آپ نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا!

ھمجولی : تساہل! شاعر جو ٹھہرے۔

شاعر : گھر کی بات تھی۔ سوچا کسی بھی وقت مسودہ آپکے سپرد کر دوں گا کہ جو جی میں آئے کیجئے۔

کتب فروش : غضب نہ کیجئے صاحب! کل ہی مسودہ میرے یہاں پہنچا دیجئے۔

فقیر داخل ہوتے ہیں

فقیر :

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجے — اور نہ ہو کام تو اس ڈھب کی خوشامد کیجے
انبیار اولیا اور رب کی خوشامد کیجے — اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جن کا خوشامد ہے مزاج — جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں ملک اور راج — کیا ہی تاثیر کی اس نسخہ نے پائی ہے رواج

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام — وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام
بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام — خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر بھلا ہو تو بھلے کی بھی خوشامد کیجے — اور بڑا ہو تو بڑے کی بھی خوشامد کیجے
پاک ناپاک سڑے کی بھی خوشامد کیجے — کتے بلی و گدھے کی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

فقیر باہر چلے جاتے ہیں

کتب فروش : آپ صاحبان کے تشریف لانے سے پہلے وہ شورِ قیامت برپا ہوا تھا اس بازار میں کہ توبہ ہی بھلی۔

شاعر : کیوں ؟

کتب فروش : بس کچھ رذیلوں میں آپس میں تُو تُو مَیں مَیں شروع ہو گئی۔ بات ہی بات میں ایک اچھا خاصا فساد کھڑا ہو گیا۔ لوٹ مار مچ گئی

شاعر : آپ کی دوکان پر تو آنچ نہیں آئی ؟

کتب فروش : غنیمت سمجھئے، ابھی دُنیا میں کتابوں کی اتنی مانگ نہیں۔

ھجولی : کیوں ؟ ردی میں بیچی جا سکتی ہیں۔

کتب فروش : (ہنستے ہوئے) ایک ککڑی والے نے شرارت شروع کی تھی۔

شاعر : ارے وہی صاحب، جو وہاں تشریف رکھتے ہیں

کتب فروش : جی ہاں۔

شاعر : ابھی ابھی انھوں نے مجھ سے ککڑی پر شعر کہنے کی درخواست کی تھی۔

کتب فروش : ماشاء اللہ !

ھجولی : صاحب کیا یہ ممکن نہیں کہ شاعری کے اندر کوئی اس سارے ماحول کی تصویر کھینچ دے۔

شاعر : میر صاحب کا کلام اس افراتفری کی دردانگیز تصویر نہیں تو اور کیا ہے ؟ ع
'پراگندہ روزی پراگندہ دل'
اس ایک فقرے میں ایک دفترِ معنی پنہاں ہے۔

ھجولی : نہیں صاحب یہ تو انھوں نے اپنی ذاتی پراگندہ حالی کا رونا رویا ہے۔

شاعر : (بات کاٹ کر) دُنیا بھر کا ٹھیکہ لے رکھا ہے شاعر نے ؟

ھجولی : جی نہیں میرا مطلب یہ تھا کہ شاید غزل کی صنف میں وہ وسعت نہیں کہ اس میں ہر مضمون اور ہر خیال نظم کیا جا سکے۔

شاعر : آپ شعرائے ایران اور اساتذۂ ہند کی صدیوں کی روایتوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ غزل جیسی حسین چیز دُنیا کے کس ادب میں پائی جاتی ہے؟

ھجولی : میں اس کے حُسن سے انکار نہیں کر رہا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس میں اتنی گنجائش نہیں۔

شاعر : جو چیز غزل میں نہیں کہہ سکتے، قصیدے میں کہیے۔

ھجولی : قصیدے میں بادشاہوں کی تعریف کے سوا اور کیا کہیے گا۔

شاعر : مثنوی میں تو سب کچھ کہہ سکتے ہیں!

کن میلیا :

لکڑی والا : صاحب آپ بزرگ میں آپ کے سامنے لونڈا، آپ کا دماغ جیسے آسمان پر سورج، میری حیثیت جیسے زمین پر اڑتی خاک، چھوٹا منہ بڑی بات، گستاخی معاف کیجے گا، میری ایک عرض سُن لیجے۔

تذکرہ نویس اس کی طرف دیکھتا ہے اور تیوری چڑھا کے خاموش آگے بڑھ جاتا ہے۔

تذکرہ نویس : (کتب فروش کی دوکان پر پہنچ کر) السلام علیکم!

کتب فروش : وعلیکم السلام۔ آئیے مولانا!

اپنی مسند مولانا کو دے دیتا ہے اور خود دوکان کے سامنے والے اسٹول پر بیٹھ جاتا ہے۔

شاعر : غریب صبح سے آپ کی راہ تک رہا ہے کہ آپ آئیں تو آپ سے دو چار شعر اپنی لکڑی پر لکھوائے اور آپ نے اس کی بات کا جواب تک دینا گوارا نہ کیا۔

تذکرہ نویس : میں ایسے ویسوں سے بات کر کے اپنی زبان خراب نہیں کرنا چاہتا!

کتب فروش : آپ بھی گویا میر صاحب کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ دلی

سے لکھنؤ کے سفر میں میر صاحب ایک لکھنوی کے ساتھ ایک ہی یکے پر ہمسفر تھے اور سارے راستے خاموش رہے کہ کہیں زبان نہ بگڑ جائے۔

تذکرہ نویس : صاحب یہی روائتیں تو ہیں کہ آگے چل کر شاید زبان اور شعر و ادب کو زندہ رکھیں ورنہ بربادی میں کسر کون سی باقی رہ گئی ہے۔ اب دیکھ لیجئے دلّی اور آگرہ میں ان دنوں جس قسم کی زبان بولنے لگے ہیں۔ میں تو کان بند کر لیتا ہوں۔ صاحب سُنا ہے کلامِ پاک کا ریختہ میں ترجمہ آگیا ہے

کتب فروش : جی ہاں۔ شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ موجود ہے اور اگر آپ کو مولوی عبد القادر کا ترجمہ درکار ہے تو کچھ روز انتظار کیجئے۔ ہفتے دو ہفتے میں وہ بھی آجائے گا۔

شاعر : ترقی کا دَور آ رہا ہے مولانا!

کتب فروش : ترقی کہہ لیجئے یا تنزل! بہرحال زمانہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ مشینیں آگئی ہیں، جگہ جگہ چھاپہ خانے کُھل رہے ہیں اور کلامِ پاک کے ساتھ ساتھ انجیل کے بھی ترجمے چھپ رہے ہیں۔ سُنا ہے کلکتے میں ایک فرنگی ہے جو سنسکرت، فارسی، اردو اور دیگر ہندستانی زبانوں میں بڑی مہارت رکھتا ہے اس نے وہاں ایک مدرسہ کھولا ہے، فورٹ ولیم کالج نام کا! وہاں ان زبانوں میں درس دیا جاتا ہے، اور اب تو سُنا ہے مشاعرے بھی وہیں منعقد ہوں گے۔

شاعر : ہم نے تو یہاں تک سُنا ہے کہ دلّی میں بھی ایک کالج کھل رہا ہے جہاں انگریزی زبان کی تعلیم اور کیمیا اور طبیعیات پر درس دئے جائیں گے۔

کتب فروش : کفر و الحاد کا دَور ہے۔ اس دَور کو بدل دینے کے لئے بخدا کسی مجاہد کی ضرورت ہے۔ فی زمانہ دردمند تو شاید بہت ہیں، مگر مجاہد کوئی نہیں۔

ھجولی : زمانے کو ضرورت دراصل مجاہد کی نہیں، مولانا۔ بلکہ انسان کی ہے۔ انسان کہیں نظر نہیں آتا۔

شاعر : (کھڑے ہو کر) تو ہم لوگ کیا جانور ہیں؟

سب ہنس دیتے ہیں، شاعر بیٹھ جاتا ہے

ہجولی : درس وتدریس کا یہ نیا سلسلہ جو شروع ہو رہا ہے، میرا یقین ہے کہ انسان بھی یہیں سے پیدا ہوں گے۔ ویسے بھی سارے ملک میں لوٹ مار مچی ہوئی ہے جسے دیکھو اپنی بے روزگاری کا رونا روتا ہے۔ ان نئے کالجوں سے کم ازکم یہ تو ہوگا کہ کچھ لوگوں کے لئے روزی کا حیلہ نکل آئے گا۔

کتب فروش : (تذکرہ نویس سے) میرا تو خیال ہے مولانا، آپ کی ان تصنیفات، شرح وحدیث، تبصرہ وتنقید اور تذکرہ نویسی وغیرہ میں کچھ نہیں دھرا ہے۔ اب تو آپ بھی کچھ نئے راستے نکالنے کی فکر کیجئے (اٹھ کر مولانا کے پاس بیٹھ جاتا ہے) میں نے اڑتے اڑتے کہیں سے سنا ہے کہ دلی میں چھاپہ خانہ آرہا ہے اور بہت جلد اردو میں رسالے اور اخبارات چھپنے شروع ہو جائیں گے۔ سوچ رہا ہوں وہیں کتب خانہ کھولوں اور اخبارات کا بھی سلسلہ جاری کروں۔

تذکرہ نویس : یہاں بہت برا وقت آگیا ہے، واقعی! ابھی کل کی بات ہے میں ابوالفتح صاحب کے مطب میں بیٹھا نصراللہ بیگ سے باتیں کر رہا تھا کہ کس طرح آگرہ اور دلی کو ہوس کاروں نے لوٹ لیا۔ سلسلہ گفتگو شعروادب تک پہنچا۔۔۔ میراتمن خاں کی دردناک داستان سنانے لگے کہ کس طرح سورج مل جاٹ نے ان کا گھر برباد کیا اور ان کی جائداد پر قابض ہوا، کہنے لگے کہ وہ اب کلکتے کے نئے فرنگی مدرسے میں بیٹھے قصۂ چہار درویش لکھ رہے ہیں اور خواہش مند ہیں کہ میں بھی کلکتے ہجرت کروں۔ فارسی کی مدرسی مل جائے گی۔ یہی رجب علی سرور نے کہلوا بھیجا ہے۔ خود نصراللہ بیگ اس بات پر زور دے رہے تھے۔

کتب فروش : (دوکان سے اٹھ کر، باہر جاتے جاتے رک کر) اب انہیں کو دیکھئے فرنگی کی فوج میں رسالدار ہیں اور مزے سے ہیں۔

بائیں راستے سے نکل جاتے ہیں

شاعر : سنا ہے ان کے بھتیجے اسداللہ کی شادی ہو گئی۔

تذکرہ نویس : جی ہاں۔ بھئی عجب ذہین لڑکا ہے یہ اسداللہ بھی۔ اس کم عمری میں فارسی میں شعر

کہتا ہے۔ اور واللہ خود میری سمجھ میں نہیں آتے۔

ھجولی : اس کی عمر تو یہی کوئی تیرہ چودہ کی ہوگی؟

شاعر : جی ہاں! اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کو دیکھئے ۱۸۰۲ء کی عمر ہوگی، اکبرِ ثانی کے دربار میں پہنچے، شاہ نصیر جیسے کہنہ مشق کا تختہ الٹ دیا اور اب اُستادِ شہ ہیں۔ ساری دلّی میں ان کا طوطی بول رہا ہے۔

تذکرہ نویس : میاں اب کیسی دلّی، کہاں کا دربار اور کون سے اکبرِ ثانی؟ اکبر و عالمگیر وغیرہ کے بعد عالمگیرِ ثانی اور شاہ عالم ثانی اور اکبر ثانی، لوحِ سلطنتِ مغلیہ پر حرفِ مکرر کی طرح آتے ہیں اور اجڑی ہوئی دلّی کے خرابۂ وحشتناک میں، جس کا نام کبھی قلعۂ معلّٰی تھا ایک ٹوٹا پھوٹا دربار جم جاتا ہے۔ گھڑی بھر کے لئے شعر و ادب کی آواز بلند ہوتی ہے، پھر وہی وحشیوں کا حملہ اور وہی ہُو کا عالم، لوگ ادھر کی طرف یا دکن کی طرف بھاگ نکلے ہیں اور دلّی کے گورستانِ شاہی میں پھر وہی کتے لوٹتے ہیں اور اُلّو بولتا ہے۔

دائیں راستے ایک گاہک داخل ہوتا ہے

گاھک : (تذکرہ نویس کو کتب فروش سمجھ کر) صاحب منشی مرزا مہدی کا نادر نامہ ہوگا آپ کے یہاں؟

کتب فروش اِزار بند باندھتا ہوا بائیں
طرف سے بڑی تیزی سے داخل ہوتا ہے۔

ایک آواز : (باہر اسٹیج کے بائیں طرف سے بہت غصے میں) کیا مولوی صاحب عین دوکان کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں ہر روز آپ بھی! مارے بدبو کے ناک میں دم آگیا ہے۔

ایک اجنبی جو بازار میں ٹہل رہا تھا، گلی
سے جھانک کر یہ باتیں بغور سنتا ہے اور
مولوی صاحب کو دیکھ کر قہقہہ لگاتا ہے۔

کتب فروش : نادر نامہ تو نہیں ہے۔ البتہ اس کا ترجمہ اردو میں ہوا ہے تاریخِ نادری! وہ موجود ہے۔

گاھک : اور قصۂ لیلےٰ مجنوں؟

کتب فروش ۔ قصۂ لیلیٰ مجنوں بھی امیر خسرو کا ختم ہو گیا مگر حیدری صاحب کا اردو کا ترجمہ ابھی ابھی آیا ہے۔

گاھک ۔ ذرا دکھائیے۔ *کتب فروش گاہک کو لے کر اندر جاتا ہے*

دیہاتیوں کی ایک ٹولی رنگین کپڑے پہنے نظم "بلدیو جی کا میلہ" گاتی ہوئی بائیں راستے سے آتی ہے۔ اسٹیج کے بیچ میں جم کر گاتی ہے، اور دائیں طرف سے چلی جاتی ہے۔

میلے والے ۔
کیا وہ دلبر کوئی نویلا ہے ۔۔۔ ناتھ ہے اور کہیں وہ چیلا ہے
موتیا ہے چنبیلی بیلا ہے ۔۔۔ بھیڑ انبوہ ہے اکیلا ہے
شہری قصباتی اور گنویلا ہے ۔۔۔ زر اشرفی ہے پیسہ دھیلا ہے
ایک کیا کیا وہ کھیل کھیلا ہے ۔۔۔ بھیڑ ہے خلقتوں کا میلا ہے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں رام اور کہیں لچھمن ۔۔۔ کہیں کچھ مچھ ہے اور کہیں باون
کہیں بارہ کہیں مدن موہن ۔۔۔ کہیں بلدیو اور کہیں سیکشن
سب سروپوں میں یہاں اسی کے جتن ۔۔۔ کہیں نرسنگھ ہے وہ نارائن
کہیں نکلا ہے سیر کو بن بن ۔۔۔ کہیں کہتا پھرے ہے یوں بن بن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف گلبدن رنگیلے ہیں ۔۔۔ نک پلک غنچہ لب بجیلے ہیں
بات کے ترچھے اور کٹیلے ہیں ۔۔۔ دل کے لینے کو سب ہٹیلے ہیں
خشک تر زم سو کھے گیلے ہیں ۔۔۔ ٹیڑھے بل دار اور نکیلے ہیں
جوٹے بھی سرخ سبز پیلے ہیں ۔۔۔ پیار الفت بہانے حیلے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار — اپنا سب گرم کرے ہے بازار
چوڑی بنگڑی کی اک طرف جھنکار — نوگرہی پوتھ انگوٹھی چھلّے ہار
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار — جس گنواری کو چلئے دھکا مار
گر کے دے گالی یوں کہے ہے — کیسوا ٹھلا چلے ہے داڑھی جار

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

(میلے والوں کے بعد ایک حسینہ بازار میں آتی ہے۔ ماتھے پر قشقہ، ہاتھ میں پھولوں کا گجرا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک شُہدا لگا ہوا ہے۔)

شہدا : اے دل آرام، جے سیتا رام۔

بے نظیر : (مُسکرا کر) کیا چاہتے ہو؟

شہدا : عرض حال!

بے نظیر : فرماؤ

شہدا : شری رام چندر نے لنکا فتح کیا، اور تمھارے سُورما حُسن نے میرے دل کا گڑھ

بود در زور دل من راون
رام کردند بتاں رام کی سوں

بے نظیر : اس بات کا گواہ؟

شہدا : ہنومان! (حسینہ ہنس دیتی ہے اور دونوں ساتھ باتیں کرتے ہوئے نکل جاتے ہیں) اے چھل چھبیلی، رنگ رنگیلی، گانٹھ گٹھیلی تجھے کس نام سے پکاریں؟

بے نظیر : لونڈی کو بے نظیر کہتے ہیں۔ کیا میں جناب کا اسمِ شریف دریافت کر سکتی ہوں؟

شہدا : مجھے بدرِ منیر کہتے ہیں۔ اور رہنے والی تم کہاں کی ہو؟

بے نظیر : میں حُسن پورہ کی رہنے والی ہوں، اور سرکار؟

شہدا : یہ ناچیز عشق نگر میں رہتا ہے۔

شاعر : مولانا سُنا ہے آپ شعرائے اردو کا کوئی تذکرہ لکھ رہے ہیں!
تذکرہ نویس : جی ہاں، لکھ تو رہا ہوں۔ پر نہ جانے کیوں؟
شاعر : کس منزل میں ہے؟
تذکرہ نویس : گمرہی کی منزلوں میں بھٹک رہا ہے صاحب، اور کیا! میاں سوز مرحوم کے ساتھ صحبت تھی، ان ہی نے اکسایا تھا کہ کچھ لکھیے۔ ایک زمانہ تھا کہ دلی اور اس کے گرد و نواح کے چکر لگتے تھے۔ سوز مرحوم کے علاوہ میر صاحب، خواجہ میر درد، حضرت سودا، میر حسن، حضرت فغاں، سب کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ یہ حضرات دُنیا سے کیا اُٹھے کہ بزم ہی اُجڑ گئی۔ آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند۔
کتب فروش : (ایک دیہاتی لڑکے کو گذرتے دیکھ کر) ادھر آنا میاں (لڑکا نہیں سُنتا) ابے ادھر آ بے خبیث! (لڑکا آتا ہے) سُسرے ریختہ نہیں بجھتے، جب تک مغلظات نہ بکیے، بجھتے ہیں عزت ہی نہ ہوئی (لڑکے کو پیسے دیکر) اجی، ذرا سامنے کی دوکان سے چار پان بنوا لاؤ۔

(لڑکا پان کی دوکان پر جاتا ہے)

خبیث : ذرا ہاتھ چلا کے چار پان بنا دینا بھائی۔
پان والا : ابھی لیجئے صاحب۔ بنارسیوں کے بڑے بڑے ٹکڑے۔ الائچیاں کترڈالی ہیں الائچیاں۔
تذکرہ نویس : میر صاحب کوئی ۳۰ برس بعد اپنے وطن مالوف یعنی دلّی واپس آئے، علما فقرا سے ملے۔ عزت و توقیر ملی، پر ایسا کوئی مخاطب نہ ملا کہ اس سے دلِ بیتاب کو تسلی ہو۔ کہنے لگے کہ سبحان اللہ یہی وہ شہر ہے کہ جس کے ہر کوچے میں عارف، کامل، فاضل، شاعر، منشی اور دانش مند تھے۔ آج وہاں کوئی ایسا آدمی نہیں کہ اس کی صحبت سے لطف اُٹھاؤں۔ چار مہینے اس طور سے

وطنِ عزیز میں گذارے، بہت رنج ہوا اور واپس چلے گئے (لڑکا پان لاتا ہے) سے

وہ اُن کا بزم میں آنا بس اتنا یاد ہے میرؔ
کہ اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

غرض صاحب اب کیسا تذکرہ اور کہاں کا تذکرہ نویس۔ بہرحال داستانِ پارینہ کا ایک زرّیں ورق اب تک ذہن کے کسی گوشے میں جگمگاتا رہتا ہے۔ عہدِ حاضر کی ظلمتوں نے اگر اس شمع کو بجھا نہ دیا تو ممکن ہے کہ آنے والی نسلوں کے لئے کچھ چھوڑ جاؤں۔ ورنہ اب تو ہمارا دم بھی غنیمت سمجھو (پیچھے کے دروازے سے ایک آدمی تیزی سے داخل ہوتا ہے اور دائیں راستے سے نکل جاتا ہے۔ ککڑی والا اس کے پیچھے آواز لگاتا ہوا دوڑتا ہے اور اس کے ساتھ ہی باہر نکل جاتا ہے)

شاعر: مولوی صاحب میرا دیوان چھاپنے پر مُصر ہیں۔ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ اسے ایک نظر دیکھ لیتے تو میری اصلاح بھی ہو جاتی اور بہت ممکن ہے کہ آپ کو شعراء کا تذکرہ لکھنے کے سلسلے میں ایک نئی تحریک بھی ہوتی۔

تذکرہ نویس: نئی تحریک تو خیر اب کیا ہوگی، بہرحال خدمت کے لئے ہر وقت حاضر ہوں (وہی آدمی دائیں راستے سے اندر آتا ہے اور بائیں سے نکل جاتا ہے۔ ککڑی والا اب تک اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ مگر بیچ اسٹیج پر پہنچ کر رک جاتا ہے آواز دھیمی ہو جاتی ہے۔ پان والے کی بنچ کی طرف آہستہ آہستہ واپس جاتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے)

کتب فروش: (گاہک سے) نہیں صاحب فارسی کا لیلیٰ مجنوں ختم ہو گیا۔ آپ سے میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔ (گاہک چلا جاتا ہے)

تذکرہ نویس: اب یہ زمانہ دیکھئے کہ کتب خانوں میں فارسی کی کتابیں عنقا ہو رہی ہیں نثر بھی اردو ہی میں لکھی جاتی ہے، پھر کوئی کیا تذکرہ لکھے اور کس کے لئے؟

کتب فروش: خوب یاد آیا۔ میاں نظیر کے ایک شاگرد حال ہی میں میرے پاس آئے، اُن کی ایک نظم "لیلےٰ مجنوں" لے کر، کہ آیا میں اُسے اپنے رسوخ سے شائع کروا سکتا ہوں۔ اب بھلا بتائیے، کون پڑھے گا میاں نظیر کا کلام!

تین چار آدمی اسٹیج پر سے قہقہہ لگاتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ لکڑی والا ان کے
پیچھے دوڑتا ہے۔ "پیسے کی چھ چھ! پیسے کی چھ چھ" لوگ نکل جاتے ہیں۔
لکڑی والا نا امید ہو جاتا ہے، اس کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے اور لہجے
میں مایوسی آجاتی ہے۔ آدمیوں کے پیچھے آہستہ آہستہ آواز لگاتا ہوا گذر جاتا ہے۔

شاعر : صاحب! ایک زمانہ آنے والا ہے کہ یہی بازاری چیزیں چلیں گی۔ ہولی یا دیوالی پر کچھ تک بندی کر لیجئے، علم و فضل کی معراج پر پہنچ جایئے گا! یہ تو ذوق کا عالم ہے آجکل! ابھی ابھی یہ لکڑی بیچنے والا میرے پاس دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا صاحب میری لکڑی پر نظم کہہ دیجئے۔ اب بھلا بتایئے!

باہر سے ایک آواز : تم سے ایک بار کہہ دیا نہیں چاہیئے لکڑی، دماغ خراب ہو گیا ہے؟

لکڑی والا : (باہر سے) نہیں میاں۔ وہ بات یہ ہے ....

آواز : بس کہہ دیا نہ مجھے لکڑی خریدنی ہے نہ میں شعر کہہ سکتا ہوں۔ ہمارا اپنا قافیہ تنگ ہے۔ پریشان کر دیا۔

قوال پیچھے کے دروازے سے ٹہلتا ہوا آتا ہے اور برتن والے سے
مخاطب ہوتا ہے۔

قوال : بڑی ڈھولکیں بج رہی تھیں آج رامو؟

برتن والا : لڑکا ہوا ہے میرے ہاں! آپ کہاں تھے؟

درزی : اے بھئی محمد خاں! رامو کے گھر میں لڑکا ہوا ہے اور وہ بھی پہلا لڑکا۔ کچھ سناؤ گے نہیں اس خوشی میں؟

قوال : ہاں ہاں ضرور۔

کمہار کے ہاں کچھ لوگ جمع ہوتے جا رہے ہیں۔ اتنے میں ایک ہیجڑوں
کی ٹولی آتی ہے۔

کمہین : اللہ کی اماں پیروں کا سایہ۔ لڑکے کے ابا کے ہاتھ کا میل۔ اے صدقے جاؤں میں آپ کے واری۔ اللہ کی اماں، پیروں کا سایہ۔

دسازی : رامو۔ ابے اُو رامو۔ ابے گھر والی کے پاس کب تک گھُسا بیٹھا رہے گا؟ ابے باہر نکل۔ یار دوستوں میں آکے بیٹھ ذرا۔ (رامو کھِلکھِلاتا ہوا باہر آتا ہے) بھینپو کہیں کا۔ کیا مٹھائی نہیں کھلائے گا؟

کریمن : اللہ کی اماں پیروں کا سایہ۔ آج کے دن نیا جوڑا لوں گی۔ اللہ ساری عمر پہننا اوڑھنا نصیب کرے۔ ایک یہ ستر اور۔

رامو : ارے تم لوگ کہاں ڈٹے جا رہے ہو۔ ہٹو راستہ دو۔

کریمن : اے صدقے جاؤں۔ میں تمہارے واری۔ اللہ تمہاری سلامتیاں رکھے۔ اری او چمیلی، اری کیا چبوترہ خانم بنی بیٹھی ہے۔ اری ادھر آ خیلا خبطن کہیں کی۔

رامو : ارے تم لوگ جاؤ، ہٹو یہاں سے۔ ارے ہٹاؤ رے ان سالے ہیجڑوں کو یہاں سے۔

چمیلی : اے ہے آج کے دن یہ ڈانٹ ڈپٹ کیسی۔ ایک ایک ایسی ایسی موٹی سناؤنگی جو نہ رکھی جائے نہ اٹھائی جائے۔ اے ہے کیسے لوگ ہیں۔ او کریمن۔ اے ہے کہاں چلی گئی ستر کارہ کہیں کی؟ (کریمن کو دیکھ کر) اری تو کہاں ہے ہوائی دیدہ، جب سے گلا پھاڑے ڈال رہی تھی، اب منہ کیا تک رہی ہے، گاتی کیوں نہیں؟

کریمن : اے اللہ لڑکے کو سلامت رکھے۔ دودھوں نہائے پوتوں پھلے۔ اے اللہ کی اماں پیروں کا سایہ۔ آج نہیں گاؤں گی تو کب گاؤں گی۔ چل تو سیٹھیاں شروع کر۔

رامو : ابے تیری ایسی تیسی۔ خبردار جو سیٹھیاں گائیں۔

چمیلی : اے کریمن تجھے خدا کی سنوار، کہیں شامت نے تو دھکا نہیں دیا ہے۔ اری کوئی اچھی چیز گا۔ یہ موئی سیٹھیاں ہی رہ گئی ہیں۔

کریمن : اچھا لے سنبھال ڈھولک۔

رامو : کوئی دھارمک چیز یاد ہو تو سناؤ۔

کریمن : جو حکم سرکار!

ھیجڑے :
ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کرشن کنہیا کا بالپن

تھے گھر جو گوالنوں کے لگے گھر سے جابجا — جس گھر کو خالی دیکھا اسی گھر میں جا پھرا
مکھن، ملائی، دودھ جو پایا سو کھالیا — کچھ کھایا کچھ خراب کیا کچھ گرا دیا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کرشن کنہیا کا بالپن

گر چوری کرتے آگئی گوالن کوئی وہاں — اور اس نے آپکڑ لیا تو اس سے بولے ہاں
میں تو تمہارے دہی کی اُڑاتا تھا مکھیاں — کھاتا نہیں میں اس کی نکالے تھا چیونٹیاں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کرشن کنہیا کا بالپن

سب مل جسودا پاس یہ کہتی تھیں آ کے بیر — اب تو تمہارا کاہنہ ہوا ہے بڑا شریر
دیتا ہے ہم کو گالیاں پھر پھاڑتا ہے چیر — چھوڑے دہی نہ دودھ نہ ماکھن مہی نہ کھیر

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کرشن کنہیا کا بالپن

ماتا جسودا ان کی بہت کرتی منتیاں — اور کاہنہ کو ڈراتی اٹھا بن کی سانٹیاں
جب کاہنہ جی جسودا سے کرتے یہی بیاں — تم سچ نہ جانو ماتا یہ ساری ہیں جھوٹیاں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کرشن کنہیا کا بالپن

اک روز منہ میں کاہنہ نے ماکھن جھکا دیا — پوچھا جسودا نے تو وہیں منہ بنا دیا
منہ کھول تین لوک کا عالم دکھا دیا — اک آن میں دکھا دیا اور پھر بھلا دیا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کرشن کنہیا کا بالپن

(دارو غہ کا داخلہ)

داروغہ : (کتب فروش کی دوکان پر آکر) مولانا، کناری بازار میں یہ دنگا فساد کس بات پر ہوا تھا؟

کتب فروش : (کھڑے ہوکر) تسلیمات عرض کرتا ہوں! اجی داروغہ جی صاحب، یہ تو آئے دن کی بات ہے۔ کوئی نہ کوئی ہنگامہ شہر میں ہوتا ہی رہتا ہے۔ کنجڑوں میں لڑائی ہو گئی تھی صاحب اور کیا!

داروغہ : ابھی ابھی مجھے رپٹ ملی کہ دوکانداروں میں آپس میں بہت جھگڑا ہوا ہے، اسی چوراہے پر۔

کتب فروش : اجی، وہ ایک ککڑی بیچنے والے کی سب شرارت تھی، دوکاندار بے چارے مُفت میں پسے۔

داروغہ : بہر حال فیصلہ یہ ہوا ہے کہ ایک ایک روپیہ ہر دوکاندار سے جرمانہ وصول کیا جائے گا۔

کتب فروش : آپ تشریف رکھیئے (پان والے سے) اسے میاں منے خاں، ذرا عمدہ سے پان لگا دینا داروغہ صاحب کے لئے۔ صاحب مجھے جھگڑے فساد سے کیا لینا دینا۔ میں نے آپ سے عرض کیا نا یہ پھیری لگانے والے رذیلوں کا سارا جھگڑا تھا۔

داروغہ : جی ہاں، جرمانہ ان سے بھی وصول کیا جائے گا۔

کتب فروش : آپ پان تو نوش فرمائیے۔

داروغہ : پھر کبھی حاضر ہوں گا۔ (آگے بڑھ جاتا ہے)

کتب فروش : یہ اچھا تماشہ ہے!

تذکرہ نویس : آخر ہوا کیا تھا؟

داروغہ : (تربوز والے سے) یہ ککڑی والا کون تھا اور اس وقت کہاں ہے؟

تربوز والا : یہیں ہوگا حضور۔ بس آتا ہوگا۔ اسی بدمعاش نے بلوہ کرایا تھا!

داروغہ : ہاں ہاں وہ مجھے سب معلوم ہے۔ شرارت تم سب کی ہے۔ جرمانہ تم سب کو دینا ہوگا۔ تھانے آکر روپیہ داخل کر دو۔

لڈو والا : سرکار، ایک آدمی کے پیچھے ہم سب غریب کیوں مفت میں مارے جائیں۔ اسی نے ہم سب کی ٹانگ اڑائی تھی۔ بات بات میں ایک جھگڑا کھڑا کر دیا۔

داروغہ : خیر وہ بھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ فساد کی جڑ کون تھا۔ تفتیش جاری ہے (ایک تربوز اُٹھا کر اُچھالتا ہے اور اسے ہاتھ میں لئے باہر چلا جاتا ہے)

لڈو والا : لو یہ مخریز دیکھو۔ ذرا سوختہ ہوا تو یہ آن ٹپکے۔ گیہوں کے ساتھ گھُن بھی پسا۔

تربوز والا : کرموں کے پھل ہیں بھیا۔ زندگی ہے تو بھگتنا ہوگا۔

(نظیر کی نواسی، ایک نو دس برس کی لڑکی گاتی ہوئی آتی ہے)

نظیر کی نواسی : ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

(بھولا رام پنساری کی دوکان پر آکر) چاچا! نانا نے آم کا آچار منگایا ہے۔

پنساری : کہاں ہیں میاں نظیر؟ شہر میں اندھیر ہو رہا ہے، ان سے کہیو، اس ظلم پر بھی ایک کوتا لکھیں۔ بیٹھے بٹھائے ہم لوگوں کا ایک روپئی جرمانہ ہو گیا۔

نواسی : نانا رائے صاحب کے یہاں بیٹھے ہیں۔

پنساری : رائے صاحب نے کھانے پر بٹھالیا ہوگا اور کیا!

نواسی : میں بتاؤں! رائے صاحب نے نانا کے لئے بیسن کی روٹی پکائی ہے۔

پنساری : اچھا۔ اسی لئے آچار کی یاد آئی۔ ان سے کہنا ذرا ادھر تشریف لائیں۔ (آچار دیتے ہوئے) یہ لو۔

نواسی : کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

(جاتی ہے)

ھجولی : مولانا! آپ کی نظر میں میاں نظیر شاعروں میں کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

تذکرہ نویس : (ایک کتاب دیکھتے ہوئے) بھئی بہت باغ و بہار آدمی ہے، خوش مزاج، شگفتہ افتاد، ہر شخص سے ہنس کر ملنے والا، کسی کا دل نہ دُکھانے والا، ایسا کہ شاید جس کی مثال دُنیا میں مشکل سے ملے گی! لیکن شاعری، آں چیزے دیگر است، فحش کلامی، ہرزہ گوئی، ابتذال اور عامیانہ مذاق کی تُک بندی کو ہم نے

شعر نہیں مانا! میاں نظیر کو شاعر ماننا ان پر بہت بڑا بہتان ہوگا۔ شعراء کے تذکرے میں ان کی کوئی جگہ نہیں۔

تربوزہ والا اُٹھ کر آہستہ آہستہ آواز لگاتا ہوا باہر چلا جاتا ہے

لڑکی واپس آتی ہے۔

نواسی : کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن (لالہ جی سے) چاچا! نانا نے آچار واپس کر دیا۔

پنساری : کیوں؟

نواسی : (ہنسی دباتے ہوئے) یہ پڑھ لیجئے۔

لالہ جی پرچہ پڑھتے ہیں۔ دونا لڑکی کے ہاتھ سے لے کر دیکھتے ہیں

اور بڑے زور کا قہقہہ لگاتے ہیں۔ لڑکی بھاگ جاتی ہے۔

ساہو : کیا بات ہے لالہ جی؟

پنساری : سنو! میاں نظیر نے ایک نئی نظم کہی ہے ؎

پھر گرم ہوا آن کے بازار چُہوں کا — ہم نے بھی کیا خوانچہ تیار چُہوں کا
سر پاؤں کچل کوٹ کے دو چار چُہوں کا — جلدی سے کچومر سا کیا مار چُہوں کا
کیا زور مزیدار ہے آچار چُہوں کا

اول تو چہے چھانٹے ہوئے قد کے بڑے ہیں — اور سیر سوا سیر کے مینڈک بھی پڑے ہیں
چکھ دیکھ مرے یار یہ اب کیسے کڑے ہیں — چالیس برس گندے ہیں تب ایسے سڑے ہیں
کیا زور مزیدار ہے آچار چُہوں کا

پہلے جو بنایا تو بکا بیس روپے سیر — برسات میں بکتا رہا بائیس روپے سیر
جاڑوں میں یہ بکتا رہا بتیس روپے سیر — اور ہولیوں میں بکتا ہے چالیس روپے سیر
کیا زور مزیدار ہے آچار چُہوں کا

ہنسی سے بے قابو ہو جاتا ہے اور دونے میں سے مسالے میں لت پت
ایک مرا ہوا چوہا نکال پھینکتا ہے۔ سالے ان چوہوں کو آچار کا اتنا شوق!

برتن والا، درزی وغیرہ ہنستے ہیں

شاعر : سُن لیا، حضور یہ ہے میاں نظیر کا معیارِ سخن!

کتب فروش : تعجب اس بات پر ہے کہ میاں نظیر شریف گھرانے کے آدمی ہیں! جاہل اور گداگران کی چیزیں گاتے پھرتے ہیں۔ انھیں اپنا نہ سہی اپنے خاندان کی عزت کا تو خیال ہونا چاہیئے۔

تذکرہ نویس : صاحب! جس شخص کی تمام عمر پتنگ بازی، میلے ٹھیلوں کی سیر، آوارہ گردی اور قمار بازی میں گذری اسے کیا شرم وحیا۔

شاعر : اب تو خیر آخری عمر میں ایک صوفی صافی کی زندگی بسر کرنے لگے ہیں، عصمت بی بی ست از بے چادری کی مثال ہے، ورنہ سُنا ہے عہد شباب میں یہ عالم تھا کہ بازار کے لونڈوں کے ساتھ گاتے بجاتے اور کوٹھوں کے چکر لگاتے تھے۔ ہولی کے دنوں میں باقاعدہ رنگ کھیلتے اور ہر رسم میں شریک ہوتے۔

کتب فروش : اب بھلا بتایئے، ان سوقیانہ طرز کے گانوں کو، جو سڑکوں پر بھیک مانگنے والے گاتے پھرتے ہیں، اگر شعر کہہ دیا جائے تو کیا دنیائے شاعری پر ظلم نہ ہوگا۔

شام ہو رہی ہے۔ کوٹھے پر محفل جمنے لگی ہے۔ اندر سے شہدا آتا ہے۔ اس کے پیچھے بے نظیر داخل ہوتی ہے۔ ایک دو آدمی آچکے ہیں، گانے کے دوران میں اور لوگ آتے ہیں۔ ایک فقیر ہری کفنی پہنے، لمبی ڈاڑھی والا داخل ہوتا ہے، ہاتھ میں جلتے ہوئے لوبان کی تھالی ہے، اس کا دھواں کمرے میں پھیلاتا ہے اور لوبان ایک طرف رکھ کر ایک گوشے میں دبک کر بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص پھولوں کے گجرے چھڑی پر لیے داخل ہوتا ہے اور اپنے ہاتھ سے تماش بینوں کی کلائیوں پر گجرے باندھتا ہے اور پیسے وصول کرتا ہے۔

شہلا : اے گُل اندام دل آرام پری زاد صنم، باقاعدہ تعارف تو ہو چکا۔ اب کچھ سُناؤ۔

بے نظیر : جو حکم! کیا سُناؤں؟

شہلا : ایسی پری چہرہ سیمتن کم دیکھی ہوں گی، صورت کی بے نظیر ہو، آواز کی بھی بے نظیر ہو گی۔ کچھ ہی سُناؤ، کچھ پھڑکتی ہوئی آپ بیتی سُناؤ تو کیسی رہے؟

تماشبین : (آتے ہوئے) آداب بجالاتا ہوں۔

بے نظیر : آداب۔ کی حال اے؟

تماشبین : کل نظیر اس نے یہ پوچھا بہ زبانِ پنجاب

یہہ وِچ مینڈی اے کے حال تُساڈِل دے میاں

جوڑ ہتھ ہم نے کہا حال اساڈے دل دا

تُسی سب جاندی ہو جی اُسے کی عرج کراں

بے نظیر : (ہنستے ہوئے) اچھا تو میاں نظیر کی ایک چیز سُنیئے۔ میری آپ بیتی سمجھ کر ہی سُنیئے گا اور یہ کچھ غلط بھی نہیں۔

گاتی ہے

خونریز کرشمہ، ناز ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہے

مژگاں کی سناں، نظروں کی انی، ابرو کی کھنچاوٹ ویسی ہے

عیار نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہے

قتال نگہ اور دُشت غضب آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہے

پلکوں کی جھپک، پُتلی کی پھرت، سُرمے کی گھلاوٹ ویسی ہے

بے درد ستمگر بے پروا، چنچل، بیکل، چٹکیلی سی

دِل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی

ڈوروں کی بان رنگیلی سی، کاجل کی آن کٹیلی سی

وہ آنکھیں مست نشیلی سی، کچھ کالی سی، کچھ پیلی سی

چتون کی دغا، نظروں کی کپٹ، سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہے

اس گورے نازک سینے پر وہ گہنے کے گلزار کھلے
چمپے کی کلی، ہیرے کی جڑی، توڑے، جگنو، ہیکل، بدھی
دل لوٹے، تڑپے، ہاتھ ملے اور جائے نظر ہر دم پھسلی
وہ پیٹ ملائی سا کافر، وہ ناف چمکتی تارا سی
شوخی کی گھلاوٹ اور ستم، شرموں کی چھپاوٹ ویسی ہے

جو ایسا حسن کا دریا ہو کس طور نہ لہروں میں بہیے
گر مہر محبت ہو بہتر اور جور و جفا ہو تو سہیے
دل لوٹ گیا ہے غش ہو کر بس اور تو آگے کیا کہیے
مل جائے نظیر ایسی جو پری چھاتی سے لپٹ کر سو رہیے
بوسوں کی چپک، بغلوں کی لپٹ، سینوں کی ملاٹ ویسی ہے

گانے کے دوران داروغہ بھی آکر بیٹھ جاتا ہے۔ بے نظیر اشارے سے سلام کرتی ہے۔ داروغہ "جیتی رہو" کہہ کر بیٹھ جاتا ہے۔

شہدا : واہ وا۔ کیسی اچھی آپ بیتی سنائی ہے۔ یہ میاں نظیر بھی عجب کرشموں کے آدمی ہیں۔ کیا آپ کے ہاں ان کا آنا جانا ہے؟

بے نظیر : جی ہاں، لیکن ادھر ایک مدت سے تشریف نہیں لائے۔ کیا آپ کی ان سے ملاقات ہے؟

شہدا : نہیں صاحب۔ پر اُن کی یہ چیز سُن کر ملاقات کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ خیر اس وقت تو آپ کی ملاقات کے آگے ساری دنیا ہمارے سامنے ہیچ ہے۔

لوگ اشارہ پاکر اٹھ رہے ہیں۔ داروغہ بے نظیر کو ایک طرف بلاتا ہے۔

داروغہ : ذرا ایک بات سنو۔ کیا اندر جانے کی اجازت نہیں؟

بے نظیر : سر آنکھوں پر۔ لیکن اس وقت میری طبیعت کچھ ناساز ہے۔

داروغہ : دردِ سر ہے تو ہم سر دبا دیں۔ دردِ دل ہے تو اس کا علاج کر دیں۔ درد کہیں اور ہے تو وہاں مرہم رکھ دیں۔

بے نظیر : کل تشریف لائیے گا۔ ضرور۔

داروغہ : میں تو ابھی چاہوں گا۔

بے نظیر : اے ایسی کیا زبردستی ہے! داروغہ صاحب۔ اس وقت اس کا موقع نہیں، پھر کبھی تشریف لائیے گا۔

داروغہ : مجھے چڑاتی ہو۔ یہ کون رقیبِ روسیاہ بیٹھا ہے، اشارہ کرو تو دھکے دے کر نِکلوا دوں۔

شہدا : (اُٹھتے ہوئے) اماں یہ کیا بک بک ہے؟

داروغہ : آپ کون ذاتِ شریف ہیں؟ کوئی نئی چڑیا معلوم ہوتی ہے۔ برخوردار ابھی تم ہمیں پہچانتے نہیں ہو۔

شہدا : بھانپ رہا ہوں۔ موقع دیجیے تو ابھی پہچانے لیتا ہوں۔ آئیے ہو جائیں دو دو ہاتھ۔

بے نظیر : اے ہے یہ کیا تماشا ہے۔ آپ میرے ملنے جلنے والوں سے اس طرح کلام کیجیے گا۔

شہدا : معافی چاہتا ہوں۔ حضور مجھے بخش دیجیے۔

بے نظیر : بتائیے آپ کب تشریف لائیے گا؟

داروغہ : ہم تو ہزار دفعہ آئیں، آپ بلائیں بھی۔

بے نظیر : بلائیں تو لاکھ، آپ آئیں بھی۔ اب دانہ ڈالنا پڑے گا۔

داروغہ : بھلا سرکار کو دانہ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟

گندمی رنگ بھی ہے زلفِ سیہ فام بھی ہے

بے نظیر : حضور گردان معلوم ہوتے ہیں۔

شہدا : اچھا خدا حافظ۔

داروغہ : اجی یہاں گردان کو کون گردانے ہے۔ اس کوچے میں تو پَر قینچ رکھے جاتے ہیں۔ خدا حافظ۔

بے نظیر : آداب۔

(داروغہ نیچے اُتر جاتا ہے)

شہلا : (اندر مڑتے ہوئے) عجیب چونچ ہے۔

بے نظیر : جانتے نہیں شہر کا داروغہ ہے۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔

شہلا : داروغہ ہے تو کیا مجھے گھول کے پی جائے گا۔

بے نظیر : اچھا بس اب آئیے۔ (دونوں اندر چلے جاتے ہیں)

داروغہ : (لکڑی والے کے پاس آکے) اتنی دیر کہاں رہا تو؟

لکڑی والا : پھیری پر تھا حضور۔

داروغہ : تم لوگ شہد سے پن پر اتر آئے ہو؟

لکڑی والا : سرکار میرا کوئی قصور نہیں۔ وہ لڈو والا مجھے مارنے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا۔

داروغہ : میرے آدمی تحقیق کر رہے ہیں کہ جھگڑے کی بنیاد کون آدمی تھا؟ تم جرمانہ تھانے میں دے آؤ۔

لکڑی والا : داروغہ جی سویریوں سے کچھ نہیں بیچا ہے۔ سونے سے پہلے چھدام دو چھدام کی لکڑی بک گئی تو روزی، نہیں تو آج روزہ۔

داروغہ چلا جاتا ہے

شاعر : صاحب، پہلی اشاعت میں کتنی کاپیاں چھاپی جائیں؟

کتب فروش : یہی کوئی پان سو اور کیا؟

شاعر : مولانا، کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں میرے کچھ ذاتی مراحل ہیں۔ براہ کرم اگر مجھے پانچ ایک روپے پیشگی عنایت ہو جاتے تو بڑی بے فکری ہوتی۔

کتب فروش : ارے صاحب کیا آپ کو معلوم نہیں؟ اب تو مصنف اپنی لاگت پر کتاب چھپواتا ہے۔ میں خود اپنی نئی کتابیں کریما، مامقیماں، آمدنامہ وغیرہ لئے بیٹھا ہوں چھاپنے کی توفیق نہیں۔ آپ ایسا کیوں نہیں کرتے۔ چودھری گنگا پرشاد سے آپ کی ملاقات بھی ہے اور وہ آپ کے مداح بھی ہیں۔ ان کے ساجھے سے کتاب چھپوانے کا انتظام کر لیجئے۔

شاعر : آپ یوں کیوں نہیں کرتے۔ آپ خود ان سے بات کریں۔ وہ مجھے بھی جانتے ہیں، اور آپ کے کہنے سے انکار بھی نہ کریں گے، اور اگر انکار کیا تو بات چھپی رہے گی۔ ان سے جو

رقم آپ کو ملے، اس میں سے پانچ روپے مجھے دید یجئے گا۔

کتب فروش: قباحت یہ ہے کہ ادھر ایک آدھ بار میں نے ان سے سرمایہ طلب کیا تھا۔ اور وہ بات ٹال گئے تھے۔ آپ پہلی بار مانگیں گے، آپ کی بات وہ کبھی رد نہ کریں گے، اسی لئے میں آپ سے کہہ رہا ہوں، آپ ذکر چھیڑ کر تو دیکھئے۔ سب سے اچھا تو یہ ہو کہ اگر وہ تیار ہو جاتے ہیں اور روپیہ آپ کے ہاتھ میں آتا ہے تو اس میں سے تھوڑی سی رقم میرے حصے کی آپ مجھے مرحمت فرمائیں تاکہ میں ساتھ ساتھ اپنی کتابیں بھی چھپوانے کی فکر کروں، میری کتابوں پر زیادہ نہیں یہی کوئی دس بارہ روپے کی لاگت آئے گی۔

شاعر: بہتر۔

فقیر آتے ہیں

فقیر: پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے
پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا سوال ہے
پیسا ہی فوج پیسا ہی جاہ و جلال ہے
پیسے ہی کا تمام یہ تنگ و دوال ہے
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے کے ڈھیر ہونے سے سب سیٹھ ساٹھ ہیں
پیسے کے زور شور ہیں پیسے کے ٹھاٹھ ہیں
پیسے کے کوٹھے کوٹھیاں چھے سات آٹھ ہیں
پیسا نہ ہو تو پیسے کے پھر ساٹھ ساٹھ ہیں

پیسا ہی رنگ، روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

عالم میں خیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

بنیادِ دیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

دوزخ میں فیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

جنّت کی سیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے

پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

دنیا میں آدمی ہی کھانا بھی نام ہے

پیسا جہاں کے بیچ وہ قائم مقام ہے

پیسا ہی جسم و جان ہے پیسا ہی کام ہے

پیسے ہی کا نظیرؔ یہ آدم غلام ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے

پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

باہر چلے جاتے ہیں

لکڑی والا اس نظم کے دوران میں اندر آتا ہے اور پیچھے کھڑے ہو کر بہت غور سے نظم سنتا ہے

لکڑی والا : (بڑی حسرت سے) میری لکڑی پر کوئی نظم نہیں لکھ دیتا؟ (باہر جانے لگتا ہے۔ لیکن یکایک ایک خیال سے چونک پڑتا ہے اور آواز لگاتا ہے) شاہ صاحب! (آواز لگاتا ہوا دائیں راستے سے بھاگ جاتا ہے، مگر فوراً ہی واپس آتا ہے اور آواز لگاتا ہوا بائیں راستے سے باہر چلا جاتا ہے) شاہ صاحب! شاہ صاحب!

(فقیر گاتے ہوئے واپس آتے ہیں۔ لکڑی والا پھر اندر آتا ہے اور آواز لگاتا ہے۔ مگر فقیر نکل جاتے ہیں۔ لکڑی والا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے، فقیروں کا گانا اب تک فضاؤں میں گونج رہا ہے کہ پردہ تیزی سے گر جاتا ہے)

پردہ

دوسرا ایکٹ

پردہ اُٹھنے سے پہلے فقیر اسی طرح ہال میں سے گذر کر پردے کے سامنے کھڑے "بنجارا نامہ" سُناتے ہیں۔ آخری بند پر پردہ اُٹھتا ہے اور فقیر گاتے ہوئے اسٹیج سے چلے جاتے ہیں

فقیر : ٹُک حرص وہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزّاق اجل کا لُوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شُتر کیا کوئی پلّا سر بھارا
کیا گیہوں چاول موٹھ مٹر کیا آگ دھنواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تُو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا ایک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قندگری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ مُنقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری ڈھل جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن
ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا بندا چیلا نیک چلن
کیا مندر مسجد تال کنویں کیا گھاٹ سرا کیا باغ چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ایک آدمی : (فقیر سے) بابا، یہ کیا گا رہے ہو؟ کوئی آشا کا گیت سناؤ۔
فقیر : آشا؟ آشا میں دبدھا ہے۔ نراش ہو کر سخت جیون بتاؤ۔

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا کوئی گون سیے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظیر اک بھنگا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

فقیر جاتے ہیں

صبح ہو رہی ہے۔ کچھ دوکاندار آچکے ہیں، کچھ ابھی دوکانیں کھول رہے ہیں، پھیری والے آوازیں لگا رہے ہیں

گنڈیری والا : آج یہ صبح ہی صبح سپاہی بازار میں کیوں چکر لگا رہے ہیں بے؟

تربوزہ والا : کہاں؟ میں نے تو کوئی سپاہی نہیں دیکھا!

لڈو والا : ابے کالے تجھے پکڑنے کے لئے آئے ہوں گے۔

شاعر اور بجوی کتب فروش کی دوکان پر آتے ہیں

گنڈیری والا : ابے آنے دے۔ تجھے کیا پڑی ہے۔ میں تو کہتا ہوں اچھا ہے سالے پکڑلے جائیں پیٹ پر پتھر باندھے دن بھر ٹانگیں توڑتا رہتا ہوں۔ اس سے اچھا ہے حوالات میں بیٹھو، آرام سے کھاؤ، موج کرو، جلنے والے جلا کریں۔

کتب فروش : چودھری گنگا پرشاد صاحب نے کچھ اور نہیں کہا آپ سے؟

شاعر : بس انھوں نے اشارے میں بات کہی، میں سمجھ گیا کہ یہ موقع مناسب نہیں۔

کتب فروش : تم انھوں نے کچھ تو جواب دیا ہوگا؟

شاعر : میں نے عرض کیا نا میں نے اپنے دیوان کی اشاعت کے سلسلے میں آپ کا ذکر چھیڑا ہی تھا کہ انھوں نے فوراً میری بات کاٹ کر کہا کہ وہ خود آپ سے مل کر پہلے کچھ پرانے معاملات پر گفتگو کریں، پھر کسی نئی کتاب کے متعلق غور کریں گے۔

کتب فروش : آپ نے میرا ذکر ہی کیوں کیا؟

شاعر : اور کیا کرتا؟

کتب فروش : ارے صاحب، میں ان کا مدت سے قرضدار رہا ہوں، اسی لئے تو میں نے آپ سے کہا تھا کہ اپنی کتاب کا آپ خود ذکر چھیڑیئے۔

پتنگ والا طوطے کا پنجرہ ہاتھ میں لے لنگڑاتے ہوئے آتا ہے، اور دوکان کھولتا ہے

پتنگ والا : کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں مبارک ہو رامو، سنا ہے تیرے ہاں لڑکا ہوا اور خوب ڈھولک بجی۔

برتن والا : ارے بھئی تم کہاں چلے گئے تھے؟

پتنگ والا : اماں یار یہ بیٹھے بٹھائے اچھی چپت پڑی۔ میں گیا تھا میاں نظیر کے ساتھ تیراکی کا میلہ دیکھنے۔ واپس آیا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ دوکان کا جرمانہ ہو گیا۔

برتن والا : تم کہہ دینا میری دوکان تو بند تھی۔ گواہ موجود ہیں۔ میں گواہی دیے دوں گا۔

پتنگ والا : کون سنتا ہے میاں تمھاری داد فریاد۔

تذکرہ نویس کتب فروش کی دوکان پر آتا ہے

ع "پڑ آئے دیکھئے داڑھی لگا لے سَن کی سی"

دونوں ہنستے ہیں

برتن والا : (پتنگ والے کے پاس برفی لے کر آتا ہے) لو برفی کھاؤ۔ لو کھاؤ تھوڑی سی۔ بہت میٹھی ہے۔ لب چپکتے ہیں۔ طوطا ساتھ لے کر تیرنے گئے تھے کیا؟

پتنگ والا : پنجرا ہاتھ میں اٹھائے دریا پار کرتا ہوں، کیا سمجھتے ہو؟ اُف، جمنا کے اندر چھتری سے لے کر بُرجِ خونی اور دارا کے چبوترے تک اور اس سے بھی آگے آدمی چھکا چھک بھرے ہوئے تھے، ہر طرف سر ہی سر، یوں معلوم ہوتا تھا تربوز تیر رہے ہیں۔ تھالی چھوڑو تو سروں پر جائے۔ پیر یار غضب کرتے ہیں اپنے آگرے والے بھی! یار لوگ حقہ پیتے دریا پار کرتے ہیں، حد ہو گئی۔

کتب فروش : سُن لیا حضور آپ نے؟ میاں نظیر دریا کنارے نیم عریاں پریوں کا تماشہ دیکھنے گئے تھے۔ پیری میں بھی وہی عالم ہے۔

تذکرہ نویس : بڑھاپا انسان کا مزاج تو نہیں بدل دیتا۔ پرانی عادتیں یہ کیسے چھوٹیں گی۔ زور تھا تو خود تیرتے تھے، اب اگلے زمانے کی یاد اور ان یادوں کی حسرت لئے ہوئے جمنا کنارے کھنچے چلے جاتے ہیں کہ جو خود نہیں کر سکتے وہ دوسروں کو کرتا دیکھ کر ہوس پوری کر لیں۔

ھمجولی : صاحب! لیکن یہ تیراکی کا میلہ ہوتا بڑا کافر ہے! اور یہ بہار آگرے ہی میں ہے۔ کتنا حسین، کتنا شاعرانہ منظر ہوتا ہے، سچ پوچھئے تو جی میرا بھی بہت چاہتا ہے کہ شرکت بھی کروں اور ایسے حسین موضوع پر شعر بھی کہوں۔ بس یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر!

شاعر : بس اسی طرح کہنا شروع کر دیجئے ؎

کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں   اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

سب ہنستے ہیں

ھجولی : اسی موضوع پر صحیح معنوں میں بھی تو شعر کہا جا سکتا ہے؟

شاعر : تیراکی پر؟

ھجولی : کیوں نہیں؟

شاعر : وہ کیوں کر؟

ھجولی : یہی اگر مجھ میں آجاتا تو کہہ نہ دیتا شعر؟

شاعر : جس موضوع پر آپ شعر نہیں کہہ سکتے، اسے شاعرانہ موضوع ٹھہرانا کیا معنی؟

ھجولی : میں نے تو صرف اتنا کہا کہ جی چاہتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا کہ اس پر شعر کہنا آسان یا ممکن ہے

شاعر : جس موضوع پر شعر کہنا ممکن نہ ہو، اس پر شعر کہنے کی خواہش کہاں کی عقلمندی ہے؟

لڈو والا : پھر تو گھُسا؟ اپنے جگری گنے جا کے بیٹھ۔

ککڑی والا : ابے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟ ہوا سے لڑتا رہتا ہے۔

دو سپاہی پان کی دوکان پر آتے ہیں اور پان کھاتے ہیں

تربوز والا : پھر سے جھگڑا مت شروع کر دینا بھیا نہیں تو ٹوکری میں پھل کا ایک دانہ بچے گا نہ سر پر ایک بال۔

حمید ایک ادھیڑ داخل ہوتا ہے اور پتنگ کی دوکان پر جاتا ہے

حمید : کل کہاں غائب ہو گئے تھے؟

پتنگ والا : صاحب، ذرا تیراکی کا میلہ دیکھنے چلے گئے تھے۔

حمید : ہم یہ سمجھے بس اب پتنگ وتنگ بیچنا چھوڑ دیا آپ نے!

پتنگ والا : بھلا پتنگ بازی اور پتنگ فروشی ہم سے چھٹ جائے؟ اجی توبہ کیجئے۔ کہیئے آپ کو کونسی پتنگ چاہیئے؟ ہر رنگ، ہر نوع، ہر مذاق، ہر بہار کی پتنگیں موجود ہیں حضور۔ کون سی پتنگ لیجئے گا؟ دودھاریا، گلہریا، پہاڑیا، دوباز، لل پرا، گھائل، لنگوٹیا، چاند تارا، بگلا، دوپنا، خربوزیہ، پنیدی پان، دوکونیا، کلسرا، گگڑی، چوگھڑا، باجرہ، کج کلاہ، پچھ کا، تکل، جھباؤ، مانگ دار.....

حمید : بس بھئی بس، نام تک نہیں سنے ان پتنگوں کے، اپنی زندگی میں۔

پتنگ والا : پھر کیا پتنگ اُڑاتے ہیں آپ؟

حمید : اماں اڑا لیتے ہیں، تھوڑی بہت، آپ تو ہمیں ایک سیدھا سادا دو دھاریا دیجئے۔

پتنگ والا : دو دھاریا لیجئے۔

حمید : دام؟

پتنگ والا : پچیس کوڑی۔

حمید : یہ لیجئے۔

گاہک پتنگ لے کر باہر چلا جاتا ہے

کتب فروش : (پتنگ کے گاہک سے) لے میاں ذرا ادھر آنا لڑکے (لڑکا چلا جاتا ہے، مولوی صاحب لپکتے ہیں) ذرا بات سننا میاں! (مولوی صاحب دوکان پر واپس آجاتے ہیں، کچھ دیر بعد لڑکا واپس آتا ہے) بیٹھو! (مولوی صاحب ہاتھ سے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہیں، لڑکا ان سے دور ہٹ کر بیٹھتا ہے) حمید نام ہے نا تمھارا؟

حمید : جی۔

کتب فروش : (تذکرہ نویس سے) مولانا، ذرا اس لڑکے کے منھ سے استادوں کا کلام سنئے، جیسی شکل پائی ہے بخدا ویسی ہی آواز!

تذکرہ نویس : ماشاءاللہ!

حمید : کیا سناؤں مولانا؟

کتب فروش : تمھیں تو استادوں کے پورے پورے دیوان حفظ ہیں۔ ہم سے کیا پوچھتے ہو، اپنی مرضی سے سناؤ۔

تذکرہ نویس : ہاں میاں!

حمید : ایک غزل سناتا ہوں

بڑی خوش الحانی سے گاتا ہے۔ دوکاندار
اپنی دوکانیں چھوڑ کر پاس آجاتے ہیں
راہ گیر رک جاتے ہیں

قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ ولیکن | کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا
کیا خاک اُڑانے کو چلی آہ چمن میں | نہ یار نہ ساقی نہ صراحی نہ پیالا
جیسا کہ ہو وہ مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا | اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا
شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے | ہے یہ تو اسی چاند سی صورت کا اُجالا
صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا | گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا
اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام | ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

ہم تجھ سے اسی روز کو کہتے تھے نظیرؔ آہ
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالہ

شاعر : (بڑے تعجب سے) یہ میاں نظیرؔ کی غزل ہے

ھجولی : بھئی کیا کہنے ہیں۔ ہمیں میاں نظیرؔ کے اس کلام کی خبر نہ تھی۔

کتب فروش : میاں اگر آدمی زندگی بھر مشق کرتا رہے تو ایک آدھ شعر ہر کسی کے ہاں نکل آئے گا، اس میں کونسی تعجب کی بات ہے؟ ہاں میاں کچھ اور سناؤ۔

ھجولی : پر صاحب اُستادوں کی زمین کی غزل ہے۔

کتب فروش : اُستادوں کی زمین پر ہل چلانے والے گھٹیا شاعر بہت ملتے ہیں۔

ھجولی : لیکن صاحب اس میں کوئی شک نہیں کہ غزل کا رنگ بہت شستہ اور منجھا ہوا ہے۔

تذکرہ نویس : سُنئے، میرؔ اسی زمین میں کہتے ہیں ؎

دیکھے ہے مجھے دیدۂ پر خشم سے وہ میرؔ | میرے ہی نصیبوں میں تھا یہ زہر کا پیالا

اور یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیے۔ "چھالا" کا قافیہ باندھا ہے اہاہاہا ؎

گذرے ہے واں سر ہر خار سے اب تک | جس دشت میں پھوٹا ہے مرے پاؤں کا چھالا

اُستادیوں کہتے ہیں۔

شاعر : بے شک۔ اسی قافیئے میں انشاؔ کا شعر بھی خوب ہے، فرماتے ہیں ؎

اتنا تو پھرا وادیٔ وحشت میں کہ میرے | ہے پائے نظر میں بھی پڑا اشک کا چھالا

ھجولی : لیکن صاحب نظیرؔ کا شعر بھی اپنی جگہ لطف سے خالی نہیں۔

صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا　　گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا

شاعر : سودا نے بھی کہی ہے اس زمین میں غزل۔

ھجولی : سید انشاء اللہ کی کوئی چیز تمھیں یاد ہے میاں؟

کتب فروش : بھئی انشاء اور مصحفی کی معرکہ آرائیوں کا جواب نہیں ہے۔ خصوصاً وہ غزل "شب دیجور کی گردن" اس میں جو نوک جھونک ہوئی ہے دونوں کی! عجب لطف رہتا ہوگا بخدا نواب سعادت علی خاں کے دربار میں بھی!

تذکرہ نویس : آپ بھی کب کی بات کر رہے ہیں حضرت؛ شب دیجور کی گردن والا زمانہ گیا۔ اب تو سید انشاء جیسے ہنسوڑ کے لب پر یہی گریہ وزاری ہے ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں　　بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

ھجولی : اور اب تو سنا ہے کہ آتش و ناسخ کی آوازیں وہ گونجی ہیں لکھنؤ میں کہ انشاء و مصحفی بھی پھیکے پڑ گئے، کس قدر جاندار شاعر ہے آتش بھی۔ زور بیاں دیکھئے، فرماتے ہیں ؎

یہ بزم وہ ہے کہ لاخیر کا مقام نہیں　　ہمارے گنجفے میں بازئ غلام نہیں

شاعر : اور ناسخ کا جواب بھی خوب ہے ؎

جو خاص بندے ہیں وہ بندۂ عوام نہیں　　ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

ھجولی : نہیں بھئی یہ خواہ مخواہ کی لڑائی ہے۔ شعر خوبصورت ہے مگر تصنع آمیز۔ وہ سچائی، وہ آگ اس کے اندر نہیں ہے جو آتش کے یہاں ہے۔

شاعر : آپ حسن جواب دیکھئے۔ سچائی اور آگ کیا دیکھ رہے ہیں؟

کتب فروش : آپ لوگ بھی وہی کرنے لگے بخدا جو دلی اور لکھنؤ کے درباروں میں ہمارے اساتذہ کر رہے ہیں، بس اب یہ بحث ختم کیجئے اور شعر سنئے۔ ہاں میاں۔

حمید : کیا سنئے گا؟

تذکرہ نویس : (کسی قدر جھنجلا کر) جو جی چاہے سناؤ۔

پتنگ والا : نظیر کی وہ نظم سناؤ "تیراکی کا میلہ" یاد ہے؟

حمید : جی ہاں سنئے ؎

ادنیٰ غریب مُفلس، زردار پیرتے ہیں

اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں ان میں کتنے پانی میں صاف ستوتے — کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے

کتنے پتنگ اڑاتے کتنے سوئی پروتے — حُقّے کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے

سو سو طرح کا کر کر بستار پیرتے ہیں

اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہی پیریں اپنا دکھا کے سینہ — سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ

تذکرہ نویس جھنجلا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور بغیر کچھ لیے چلا جاتا ہے۔ محفل پر ایک تحقیر آمیز سناٹا چھا گیا ہے۔ بہت سے رستہ چلنے والے بڑے شوق سے نظم سننے کے لیے رک گئے ہیں

اس جگھٹ کو دیکھ کر مولوی صاحب برس پڑتے ہیں

آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ

کتب فروش، بس کرو میاں (آواز نکال کر) آپ لوگ کیوں یہاں جمع ہو گئے ہیں صاحب؟ کوئی مداری کا کھیل ہو رہا ہے یا پرساد بٹ رہا ہے۔ (مجمع پیچھے ہٹ جاتا ہے اور ایک سناٹا چھا جاتا ہے اس سناٹے میں ککڑی والا بائیں طرف سے آہستہ آہستہ داخل ہوتا ہے)

ککڑی والا : (مردہ آواز میں) دمڑی کی چار، دمڑی کی چار۔

کتب فروش اسے غضب آلود نگاہوں سے گھور رہا ہے۔ ککڑی والا جو اب تک انجان تھا، مولوی صاحب کی نگاہوں کو دیکھ کر یکایک چپ ہو جاتا ہے اور بھاگ کر دائیں کونے میں دبک جاتا ہے۔ پتنگ والا جو مجمع میں سب آگے تھا کتب فروش کی دوکان کی طرف بڑھتا ہے

پتنگ والا : ادھر آنا میاں (لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی دوکان پر لے جاتا ہے)

کتب فروش : مجھے ہم نے سوچا خوش گلو لڑکا ہے مولانا کلام سن کر خوش ہوں گے۔ میں کیا جانتا تھا کہ وہ یہ بازاری کلام سنانے لگے گا۔ آخر مولانا ناراض ہو کر چل دیے۔

ہمجولی : لیکن نظم تو خوب تھی صاحب!

شاعر : جی ہاں "سو سو طرح کا گرگر بستار پیرتے ہیں" گرگر! اسے آپ شاعری کہتے ہیں! یوں معلوم ہوتا ہے آدمی شعر نہیں پڑھ رہا گڑوی کھا رہا ہے۔

ہمجولی : لیکن صاحب "گرگر" مستعمل ہے۔ اساتذہ نے باندھا ہے!

شاعر : (ہمجولی سے) چلئے اب اُٹھیے۔

کتب فروش : معاف کیجئے گا۔

شاعر : اس میں آپ کا کیا قصور ہے مولانا! اچھا السلام علیکم۔

کتب فروش : وعلیکم السلام (شاعر اور اس کا ہمجولی چلے جاتے ہیں۔ لوگ اب پتنگ والے کی دوکان پر جمع ہو گئے ہیں) اب کم بخت وہاں جم گئے۔

مولوی صاحب حساب، کتاب میں لگ جاتے ہیں۔ پتنگ والا حمید کو اپنی دوکان میں بٹھاتے ہوئے کہتا ہے

پتنگ والا : سنو میاں نظیر کہتے ہیں ؎

قسمت میں گر ہماری یہ مے ہے تو ساقیا
بے اختیار ہاتھ سے شیشہ کرے گا جست

پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا یار کہ تمہیں میاں نظیر کا کلام یاد ہے؟

حمید : میں پتنگ خریدنے آیا تھا صاحب۔ شعر سنانے کی غرض سے تو آیا نہیں تھا۔

پتنگ والا : اے یار مگر یہ تو جانتے ہو کتنی پرانی یاد اللہ ہے ہماری میاں نظیر سے۔ ان کا کلام سنانا تھا تو ہماری دوکان پر بیٹھ کر سناتے۔ وہاں شعر پڑھ کر ان کو بھی بے عزت کیا اور ہمیں بھی! واہ! — اسی پر تو کہا ہے حضرت نظیر نے ؎

دل سا دُرِ یتیم بکا کوڑیوں کے مول
کیا کیجئے خیر یہ بھی خریدار کے نصیب

اچھا سناؤ کچھ اپنی آواز سے!

حمید : آپ فرمائیے کیا سناؤں!

پتنگ والا : وہی نظم سناؤ تیراکی والی، اور کیا!

ادنیٰ غریب مفلس، زردار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہی پیریں اپنا دکھا کے سینہ | سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ | مردوں کا بہہ چلا ہے گویا کہ اک قرینہ

دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤں میں وہ جو گلرو ناچوں میں چھک رہے ہیں | جوڑے بدن میں رنگیں گہنے بھبک رہے ہیں
تانیں ہوا میں اڑتیں طبلے کھڑک رہے ہیں | عیش و طرب کی دھومیں پانی چھپک رہے ہیں

سو ٹھاٹھ کے بنا کر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں ستید کبیر کی جے | پھر اس کے بعد اپنے استاد پیر کی جے
مورو مکٹ کنہیا جمنا کے تیر کی جے | پھر غول کے سب اپنے خورد و کبیر کی جے

ہردم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

نظم کے دوران اور بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں جن میں خوانچے والے بھی شامل ہیں

پتنگ والا : واہ وا واہ! میاں یہی کلام تو دل کو لگتا ہے۔ پر زمانے نے قدر نہ کی یار اس شاعر کی! کہتا ہے ؎

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

سب : واہ وا کیا کہتے ہیں!

ایک اندھا فقیر جو نظم کے دوران میں آ کر کھڑا ہو گیا تھا بہت خوش الحانی سے "مہادیو جی کا بیاہ" کے ابتدائی اشعار سناتا ہے

پہلے ناؤں گنیش کا لیجے سیس نوائے — جا سے کارج سدھ ہوں سدا ابہوت لائے

بول بچن آنند کے، پریم پیت اور چاہ — سن لو دھیان دھر، مہادیو کا بیاہ

جوگی جنگی سے سنا، وہ بھی کیا بیان — اور کتھا میں جو سنا اس کا بھی پرمان

سننے والے بھی رہیں ہنسی خوشی دن رین — اور پڑھیں جو یاد کر، ان کو بھی سکھ چین

اور جس نے اس بیاہ کی مہمان کہی بنائے — اس کے بھی ہر حال میں شیو جی رہیں سہائے

خوش رہیں دن رات وہ، کبھی نہ ہو دلگیر — مہاں اس کی بھی ہے جس کا ناؤں بخیر

سب : (مل کر گاتے ہیں)

مہاں اس کی بھی ہے جس کا ناؤں بخیر — مہاں اس کی بھی ہے جس کا ناؤں بخیر

مہاں اس کی بھی ہے جس کا ناؤں بخیر

پتنگ والا بڑھ کر اندھے کو کچھ پیسے دیتا ہے۔ لکڑی والا ایک لکڑی پیش کرتا ہے

مجمع سے وہی فقیر ہری کفنی پہنے کھڑا ہے اور رو رہا ہے۔

پتنگ والا اسے پہچان کر اس کی طرف پلٹتا ہے

پتنگ والا : ارے کون منظور حسین؟ (منظور حسین منہ پھیر لیتا ہے) یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے میاں؟ کیا حال ہے؟ (فقیر چپ کھڑا رہتا ہے)

ایک آدمی : ان کو ہم نے تو کبھی بات کرتے سنا نہیں۔

بینی : (آگے بڑھ کر) تمھیں نہیں معلوم، کوئی ایک برس سے ان کا یہی حال ہے۔

پتنگ والا : اماں بینی پرشاد کیا کہا؟ کیا یہ ایک برس سے آگرے میں ہیں؟ یہ تو گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے بھائی۔ کوئی چار برس پہلے گھوڑے لیکر حیدرآباد کی طرف گئے تھے۔ اس کے بعد سے انھیں آج دیکھا۔ اماں منظور حسین؟ (منظور حسین باہر چلا جاتا ہے)

بینی : تعجب ہے تم نے انھیں نہیں دیکھا۔ یا شاید دیکھا ہو تو پہچان نہ سکے ہو گے۔ یہیں کچھ دنوں سے چکر کاٹ رہے ہیں۔ ایک طوائف پر عاشق ہیں۔

پتنگ والا : یہ چپ جو انھیں لگ گئی ہے اور یہ کفنی، ڈاڑھی، فقیری۔ کیا یہ سب اس عشق کا نتیجہ ہے!

مجھ سے تو دیکھا نہیں گیا۔ منظور حسین جیسا ہنس مکھ یار باش آدمی اور یوں بدل جائے تمھیں معلوم ہے نا یہ میاں نظیر کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں میں سے ہیں۔ میرا ان کا یارانہ کوئی بیس پچیس برس کا ہوگا۔

بینی : ہاں ہاں خوب جانتا ہوں۔

پتنگ والا : اماں کچھ بتاؤ بینی، یہ آخر ہوا کیا؟ میری تو عقل گم ہے۔

بینی : بھئی ان پر کیا بیتی، یہ تو کسی کو معلوم نہیں، بس اتنا سنا ہے کہ دکن سے واپسی کے وقت جھانسی کے قریب ٹھگوں نے ان کے سارے گھوڑے اور مال و اسباب لوٹ لیا۔ سال بھر پہلے جب آگرے واپس آئے تو اسی وقت ان کی حالت دگرگوں تھی۔ خیر اس وقت یہ فقیری نہیں تھی۔ کبھی کبھی کسی سے کچھ باتیں بھی کر لیتے تھے مگر کم کم۔ بس زیادہ تر جمنا کے کنارے ایک مقبرے پر بیٹھے پانی کی لہریں گنا کرتے تھے۔ پھر یکایک غائب ہو گئے، کبھی متھرا کبھی میرٹھ میں دیکھے گئے۔ ابھی ابھی واپس آئے ہیں، اور یہ حالت لے کر آئے ہیں۔

پتنگ والا : فالج کا اثر ہے یا جنون کا دورہ؟ آخر کچھ تو سبب ہوگا اس تغیر کا!

بینی : طرح طرح کی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے اللہ والے ہو گئے، کوئی کہتا ہے لٹ جانے کی وجہ سے یہ حال ہوا ہے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عشق صادق کا اثر ہے۔ عشقِ مجازی میں راہ خدا تک پہنچنا کوئی ان سنی بات بھی نہیں ہے۔

پتنگ والا : "فرصتِ عمر قطرۂ شبنم۔ وصلِ محبوب گوہر نایاب۔" یہ آدمی ہمیشہ کا ذکی الحس واقع ہوا ہے۔ مجھے ایک پرانا قصہ یاد آ رہا ہے۔ جانتے ہو میاں نظیر سے ان کی پہلی ملاقات کیونکر ہوئی۔ میاں نظیر تاج گنج سے مائی تھان ٹٹو پر جا رہے تھے، لالہ بلاس رائے کھتری کے لڑکوں کو پڑھانے کے لئے۔ ادھر سے منظور حسین پاپیادہ چلے آ رہے تھے۔ رستے میں ٹٹو اڑ گیا۔ میاں نظیر نے ایک چابک جو اس کے رسید کی تو وہ منظور حسین کے لگتی ہوئی ٹٹو کے لگی۔ میاں نظیر ٹٹو سے اتر پڑے اور زبردستی ان کے ہاتھ میں چابک دے کر کہا میاں میرے بھی ایک جڑ دو۔ انھوں نے بہت منت کی، وہ نہ مانے۔ آخر منظور حسین نے چابک لے کر ان کے ذرا سا چھوا دیا اور دوڑے ہوئے میرے پاس آئے۔ مجھ سے سارا حال بتایا اور گھر جا کر پڑ رہے۔

دو دن تک کھانا پینا سب موقوف۔ جب میاں نظیر نے میری زبانی یہ حال سنا تو بے چین ہو کر ان کے پاس آئے۔ انھیں اپنے گھر لے گئے، خاطر تواضع کی۔ ان کے ساتھ ہولی کھیلی، مٹھائی کھلائی، اپنی نظمیں سنائیں۔ بس اس دن سے یہ میاں نظیر کے اور بھی گرویدہ ہوئے، پھر ایسے کہ روز کا آنا جانا رہتا تھا۔

بینی : کیا زمانے کے انقلابات ہیں۔

پتنگ والا : ع "چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل"

ہولی گاتے ہوئے کچھ لوگوں کا داخلہ

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منھ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال چھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

گلزار کھلے ہوں پریوں کے اور مجلس کی تیاری ہو
کپڑوں پر رنگ کے چھینٹوں سے خوش رنگ عجب گلکاری ہو
منھ لال گلابی آنکھیں ہوں اور ہاتھوں میں پچکاری ہو
اس رنگ بھری پچکاری کو انگیا پر تک کر ماری ہو
سینوں سے رنگ ڈھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی محفل میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
منھ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو
مے نوشی ہو بے ہوشی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو
بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

پتنگ والا : (بینی پرشاد سے) سن لیا بینی پرشاد۔ اب بتاؤ ہولی پر اس سے بہتر نظم ہو سکتی ہے؟ یہ صنائع بدائع

یہ تشبیہیں استعارے، تلمیح یعنی شعر و شاعری اور علم و ادب میں جسے حسنِ بیان کہتے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ سنو ایک دانائے راز کی بات سنو اور ہمیشہ کے لئے پلّو سے باندھ لو۔ کسی پائے کے معلم نے اپنے ایک شاگرد کو علمِ بیان بڑی محنت سے پڑھایا۔ جب لڑکا پڑھ لکھ کر فارغ ہوا تو استاد نے کہا اب جاؤ بازاروں اور گلیوں میں گھوم پھر کر لوگوں کی باتیں سنو اور پتہ لگاؤ کہ ان باتوں کا علمِ بیان سے کیا رشتہ ہے۔ لڑکا گلی کوچوں کی خاک چھانتا پھرا، مگر اسے لوگوں کی باتوں کا کوئی تعلق علمِ بیان سے معلوم نہ ہوا۔ اس نے استاد سے حال کہہ سنایا۔ استاد نے اسے پھر بائے بسم اللہ سے تائے تمت تک علم سکھایا اور کہا کہ ایک بار پھر بازاروں کے چکر کاٹو اور وہی بات دریافت کرو۔ اس دفعہ کچھ تھوڑا سا تعلق شاگرد کی سمجھ میں آیا۔ اس نے واپس آ کر کہا ہاں تھوڑا سا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اس پر استاد نے کہا ابھی تم علم بیان کو سمجھے نہیں، پھر پڑھو، شروع سے اخیر تک ایک بار پھر سب کچھ پڑھ چکنے کے بعد شاگرد کیا دیکھتا ہے کہ کسی شخص کی کوئی بات ایسی نہیں جس کا تعلق علمِ بیان سے نہ ہو۔ کچھ سمجھے!

بینی : بھئی شعر و شاعری پہ معیار واقعی بہت بلند ہے۔

حمید : میاں نظیر نے اپنی تصویر خود اپنے قلم سے کھینچ دی ہے۔ آپ کی اجازت ہو تو۔۔۔

پتنگ والا : اجازت! اماں تم شعر و شاعری کا کاروبار کرنے والے کی دوکان پر نہیں بیٹھے ہو، شعر و شاعری پر جان دینے والے کے پاس بیٹھے ہو، سناؤ اور کھلے بندوں سناؤ۔

حمید : کہتے ہیں جس کو نظیر، سنیئے ٹک اس کا بیاں
تھا وہ معلم غریب، بزدل و ترسندہ جاں
سست روش پست قد، سانولا ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا، قد کے موافق عیاں
ماتھے پہ اک خال تھا، چھوٹا سا مسّے کے طور
تھا وہ پڑا آنکھ اوپر، ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی، تس پہ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ ساں
پیری میں تھی جس طرح، اس کو دل افسردگی
ویسی ہی تھی ان دنوں، جن دنوں وہ تھا جواں
فضل نے اللہ کے، اس کو دیا عمر بھر
عزّت و حرمت کے ساتھ، پارچہ و آب و ناں

سب : واہ واہ! واہ واہ! کیا انکساری ہے (وغیرہ وغیرہ)

نظیر کی نواسی اچھلتی کودتی گنگناتی داخل ہوتی ہے

نظیر کی نواسی : 'کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن'

پتنگ والا : ارے بیٹا!

نواسی : ابھی آئی۔ (یہ کہہ کر دوسری طرف نکل جاتی ہے۔ سپاہی جو وہیں مجمع میں کھڑے نظمیں سن رہے تھے، اور بار بار مڑ مڑ کر اوپر کوٹھے کی طرف نگاہیں پھینک رہے تھے، پان کی دوکان پر آتے ہیں)

پہلا سپاہی : ذرا دو پان لگا دینا۔ (دوسرے سپاہی سے) دن چڑھ آیا پر یہ مائی کا لعل ابھی تک ایسا چپکا ہے کہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

دوسرا سپاہی : وہاں ہے بھی کہ غائب ہو گیا؟

پہلا سپاہی : جانے کا رستہ ایک ہی ہے اور میں نے نظروں کو کیل کی طرح چوکھٹ پر ٹھونک دیا ہے۔

دوسرا سپاہی : اگر وہاں گیا ہی نہ ہو تو کیا ہم دن بھر یہیں ٹنگے رہیں گے؟

پہلا سپاہی : یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ داروغہ صاحب نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

دوسرا سپاہی : کل رات دیکھا ہوگا۔ اور اگر وہ رات ہی کو نکل گیا ہو؟

مداری ریچھ کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے بچے ہیں۔ ریچھ کا ناچ ہوتا ہے۔

مداری : کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ — لے آئے وہیں ہم بھی اٹھا ریچھ کا بچہ

سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ — جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ

جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کوئی ہم سے یہاں آؤ قلندر — وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر

ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر — ہاں چھوڑ دیا بابا انہیں جنگل کے اندر

جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

ان داؤں میں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر — یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر

سب نقد ہوئے آ کے سوا لاکھ روپے ڈھیر — جو کہتا تھا ہر اک سے اسی طرح منہ پھیر

یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچہ

جس دن سے نظیر اپنے تو استاد یہی ہیں — جاتے ہیں جدھر کو ادھر ارشاد یہی ہیں
سب کہتے ہیں وہ صاحبِ ایجاد یہی ہیں — کیا دیکھتے ہو تم کھڑے استاد یہی ہیں

کل چوک میں تھا جن کا لڑا ریچھ کا بچہ

مداری جاتا ہے۔ بھیڑ میں نظیر کی نواسی ایک کھلونا لئے نظر آتی ہے۔ پتنگ والا
اس کی طرف بڑھتا ہے اور اسے کھینچ کر اپنی دوکان پر لاتا ہے۔

پتنگ والا : (گاتے ہوئے) موہن مرے آئے، للن مرے آئے، گنجن مرے آئے۔

نواسی : (کھلونا کھاتے ہوئے) میں یہ لینے گئی تھی۔

پتنگ والا : نانا سے پیسے جٹ لئے ہوں گے، کیوں؟

نواسی : نہیں تو۔

پتنگ والا : پھر کیا مفت ہاتھ آگیا کھلونا؟

نواسی : گھر میں پڑے تھے۔

پتنگ والا : گھر میں کیا پڑے تھے؟

نواسی : میں بتاؤں؟ ہمارے نانا پیسے کو ہاتھ نہیں لگاتے ہیں نا۔ جیسے ہم کو اماں کہتی ہیں نا کہ گندی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ ویسے ہی نانا نے پیسے کو رومال سے باندھ کر کونے میں پھینک دیا۔

پتنگ والا : اور تم نے اٹھالیا۔

نواسی : سب تھوڑا ہی۔ (اچھل کر بھاگ جاتی ہے۔ پتنگ والا ہنستا ہے)

پتنگ والا : (بنی سے، ع "گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو" حال ہی کا واقعہ ہے، روپوں کی تھیلی لئے نواب سعادت علی خاں کے پاس سے آدمی آیا۔ رات بھر روپیہ گھر میں پڑا رہا' اور روپے کی وجہ سے میاں نظیر کو نیند نہ آئی۔ صبح کو جواب میں کہلوا بھیجا کہ ذرا سے تعلق سے تو یہ حال ہے۔ اگر زندگی بھر کا ساتھ ہوگیا تو نہ جانے کیا ہوگا۔

بلاوے بہت آئے پر میرا یار آگرے سے نہ ٹلا۔ ہر بار یہ کہہ کر ٹال گیا کہ میں ماشے بھر کا قسلم چلانے والا۔ میری کیا مجال: بس یہیں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا

دیکھ لی۔ کہتے ہیں سہ (آواز اٹھا کر)

سب کتابوں کے کھُل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب

اشارہ کتب فروش کی طرف تھا۔ کتب فروش جذبہ ہو کر رہ جاتا ہے

لکڑی والا ۔ میاں کہاں رہتے ہیں یہ حضرت نظیر؟

پتنگ والا ۔ کیوں، کیا بات ہے؟

لکڑی والا ۔ وہ بات یہ ہے کہ ۔ ایسے ہی۔

پتنگ والا ۔ آخر؟

لکڑی والا ۔ میں اپنی لکڑی پر دو چار شعر لکھوالاتا ان سے۔

پتنگ والا ۔ (قہقہہ لگا کر) یہ آپ کو خوب سُوجھی۔ اس کام کے لئے میاں نظیر سے بہتر کون آدمی ملے گا۔ ابھی کچھ دن ہوئے ایک صاحب اپنے ٹوٹے ہوئے دل کا دکھڑا لے کر ان کے یہاں پہنچ گئے۔ کسی مہ جبین نے ان کے ساتھ بے وفائی کی تھی۔ اپنی داستانِ غم سُنائی اور کہا کہ دل کو کیونکر سمجھاؤں، کسی پہلو چین نہیں لیتا، ہر دم آنکھوں کے سامنے اس مہ لقا کی تصویر جمی رہتی ہے۔ میاں نظیر نے اس کے حسبِ حال ایک نظم لکھ دی۔ بس ان صاحب کو چین آگیا۔ اب وہ نظم گنگناتے پھرتے ہیں اور خوش و خرم ہیں۔

لکڑی والا ۔ رہتے کہاں ہیں میاں؟

پتنگ والا ۔ بیگم باندہ کا محل دیکھا ہے؟

لکڑی والا ۔ جی نہیں!

پتنگ والا ۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟

لکڑی والا ۔ دلّی کے پاس کا رہنے والا ہوں۔

پتنگ والا ۔ اچھا، محلہ تاج گنج دیکھا ہے؟

لکڑی والا ۔ جی ہاں دیکھا ہے

پتنگ والا ۔ وہاں پہنچ کر کسی سے ملکوں والی گلی پوچھ لو، اور بیگم باندہ کے محل پہنچ جاؤ۔ محل کے برابر ہی ایک

چھوٹا سا مکان ہے، وہ میاں نظیر کا ہے۔

لکڑی والا خوشی خوشی بائیں راستے کی طرف بھاگتا ہے۔ راستے کے پاس ایک اجنبی سے ٹکر ہو جاتی ہے۔

اجنبی : کیا اندھے ہو گئے ہو؟

لکڑی والا : معاف کرنا میاں ذرا جلدی میں ہوں! (*چلا جاتا ہے، اجنبی بازار میں ٹہلتا ہے*)

پتنگ والا : (*حمید اور ان لوگوں کو سناتے ہوئے جواب تک وہاں جمع ہیں*) میاں نظیر کی نگاہ میں آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ چاہے وہ پتنگ بنانے والا ہو، چاہے کتاب بیچنے والا۔ ان کے لئے بس آدمی ہے۔ (*آواز اٹھا کر کہتا ہے۔ کتب فروش غصے سے سرخ ہو رہا ہے*)

اجنبی : (*کتب فروش سے*) صاحب کلامِ ناسخ ہو گا آپ کے یہاں؟

کتب فروش : (*پتنگ والے کا غصہ اس اجنبی پر نکالتا ہے*) میاں! ناسخ کل کے چھوکرے ہیں! ابھی ابھی شعر کہنا شروع کیا ہے، اور ابھی سے آپ ان کے کلام کی تلاش میں نکل پڑے۔ ایسا ہی شوق ہے تو لکھنؤ تشریف لے جائیے اور خود سن لیجئے۔

اجنبی : ابھی ابھی یہاں کچھ لوگ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ ناسخ صاحب کا ایک شعر میرے کان میں پڑا، میں نے سوچا۔

کتب فروش : کہ میں نے اپنی کتابوں کے اشتہار کے لئے لوگوں کو اکٹھا کر لیا ہے! یہ شوق اور یہ جہالت! سبحان اللہ۔ (*اجنبی ڈر کر پیچھے ہٹ جاتا ہے، لیکن گھوم کر پھر حملہ کرتا ہے*)

اجنبی : یہ اتنے لوگ یہاں کیوں اکٹھا ہو گئے ہیں صاحب؟

کتب فروش : (*غصے سے بے قابو ہو کر*) آپ ہی کی طرح کے جاہل ہیں۔ ایک جاہل کا کلام سننے کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔ (*اجنبی سٹ پٹا کر چلا جاتا ہے۔ لوگ قہقہہ لگاتے ہیں*) ایک سے ایک چلا آتا ہے۔ صبح سے دوکان کھول کر بیٹھے ہیں، جو بھی ہے طرح طرح کے سوالات لے کر پہنچ جاتا ہے۔ خرید و فروخت کی بات ہی نہیں۔ لاحول ولا قوۃ

بے نظیر کے کوٹھے سے شہد اینچے اترتا ہے۔ سپاہی ایک گوشے میں دبک جاتے ہیں، جیسے ہی شہد اسلنے آتا ہے، لپک کر اسے دبوچ لیتے ہیں۔

شہدا ، ابے کیا سمجھ کے پکڑ رہا ہے حرام کے۔ ابے رنڈی کے کوٹھے پر جانا کب سے اس اوندھے شہر میں جرم قرار پایا ہے بے ؟

پتنگ والا ، اماں یار و کیا ہوا ؟ کس گناہ کی پاداش میں انھیں دھر لیا گیا بھائی ؟

پہلا سپاہی ، کل یہاں فساد کروایا تھا۔

شہدا ، ابے کس نے فساد کروایا تھا ؟ کب فساد کروایا تھا ؟ کوئی گواہ ؟

دوسرا سپاہی، حوالات چلو۔ گواہ وہیں دیکھ لینا۔

برتن والا ، ابے بھیا جھگڑا اور لوگوں کے بیچ ہوا تھا، پکڑ لیا تم نے کسی اور کو! ان کو تو ہم نے جھگڑے کے سمے دیکھا ہی نہیں تھا۔

دوسرا سپاہی، ہم یہ سب نہیں جانتے۔ ہمیں یہی حکم ملا ہے بس۔

پہلا سپاہی، ابے چل یار، تو اپنا کام کر۔ بکنے دے۔

شہدا ، ابے بڑا نامرد نکلا تمہارا داروغہ کا بچہ۔ ہم سمجھے مقابلہ راون سے ہے، سیتا ہرن ہوگا۔ دو دو ہاتھ ہوں گے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ تمہارا شہر جنت کی چڑیوں سے بھرا پڑا ہے۔

پہلا سپاہی، یہ عدالت نہیں ہے، جو کچھ کہنا ہے وہاں کہنا۔ لے بس اب قدم بڑھائیے۔

شہدے کو لے کر جاتے ہیں

پتنگ والا ، اماں یار یہ ہوا کیا ؟

برتن والا ، میں تو یہیں تھا۔ میں نے تو اس آدمی کو جھگڑے کے سمے نہیں دیکھا۔

لڈو والا ، لوٹ مار کے وقت ہوش کسے تھا ؟ شاید رہا ہو۔

بینی پرشاد، جتنے لوگ لوٹ کھسوٹ میں شریک تھے ان سب کو دیکھا کس نے ہوگا ؟ کیوں رامو، تم سب کو پہچان سکتے ہو ؟

برتن والا اب یہ تو میں کہہ نہیں سکتا بھئی۔ سامنے آئیں گے تو کچھ لوگوں کو تو پہچان لوں گا شاید۔ پر یہ آدمی اگر اس میں ہوتا تو میری نظر چوک نہیں سکتی تھی۔ میں اس کو ضرور تاڑ لیتا۔

لڈو والا ، یہ تم کس برتے پر کہہ سکتے ہو ؟ کیا اس آدمی میں سرخاب کے پر لگے ہیں ؟

برتن والا ، اس کے کپڑے، صورت، اس کے ہاتھ کا گجرا۔ ایسا کوئی آدمی کل شام تک بازار میں نہیں آیا۔ یہ

آدمی دوسرے شہر کا معلوم پڑتا ہے۔ میں نے اس کو سانجھ کے سمے ایک رنڈی کے پیچھے جاتے دیکھا تھا۔

لڈو والا : یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسی نے لوٹ مار شروع کرائی ہو! اس کے لئے سامنے آنے کی کیا ضرورت ہے؟

برتن والا : یہ میں نہیں جانتا بھئی۔ اگر یہ دوسرے شہر کا آدمی ہے، تو یہاں آ کے بلوہ کیسے کرا سکتا ہے، یہ بھی تو سوچو۔

تربوزہ والا : کیوں نہیں کرا سکتا؟

برتن والا : تم لوگ اپنی خیر مناؤ۔ اتنا بڑھ بڑھ کے مت ہانکو۔

ککڑی والا بہت تیزی سے داخل ہوتا ہے۔ چہرے پر بشاشت، ہونٹوں پر گانا۔ اس کے پیچھے بچے شور مچاتے ہوئے ایک قطار میں داخل ہوتے ہیں۔ ککڑی والا بڑی خوش الحانی سے گا گا کر ککڑی بیچتا ہے۔ نظم کا ہر بند دو چار آدمیوں کو ککڑی کا خریدار بنا لیتا ہے۔

ککڑی والا : کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں | گنے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں | مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کوئی ہے سیدھی مائل کوئی ہری بھری ہے | پکھراج منفعل ہے پنے کو تھرتھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو چوڑی وہ ہیر کی ہری ہے | سیدھی ہے سو وہ یار و رانجھا کی بانسری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

چھونے میں برگ گل ہے کھانے میں کرکری ہے | گرمی کے مارنے کو اک تیر کی سری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے | ککڑی نہ کہیے اس کو ککڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

دوسری طرف سے تربوز والا گاتے ہوئے داخل ہوتا ہے

تربوز والا ، کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز
کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز
جس طرف دیکھئے بہتر سے ہے بہتر تربوز
اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

لڈو والا آتا ہے اور اپنا گیت سناتا ہے

لڈو والا ، ہم کو تو ہیں گے یارو خوش آئے تل کے لڈو
جیتے رہے تو یارو پھر کھائے تل کے لڈو
کوچے گلی میں ہر جا بکوائے تل کے لڈو
ہم نے بھی گڑ منگا کر بندھوائے تل کے لڈو

تینوں مل کر ناچتے ہوئے باہر چلے جاتے ہیں

داروغہ ، (آتے ہوئے) بائی جی سوختے میں تو ہیں ؟
طلبچی ، حضور تشریف رکھیں ، میں ابھی اطلاع کرتا ہوں ۔ (اندر جاتا ہے)
سارنگیا ، سرکار آج بہت سویرے سے تشریف لائے ؟
داروغہ ، کیوں ؟ مغرب کا وقت سر پہ ہے ۔
سارنگیا ، بجا فرمایا ۔

بے نظیر آتی ہے

بے نظیر ، آداب بجالاتی ہوں ۔ آج معلوم ہوتا ہے گھر میں دفتر میں کہیں آپ کا دل لگا نہیں ؟
داروغہ ، گھر دفتر میں کب دل لگتا ہے ؟ پھر کل آپ کے ہاں یہ نیا دستور دیکھا کہ جو پہلے پہنچ جائے سو پائے ۔ چنانچہ یوں کہیے کہ کل کا چلا ہوں اور بہت دیر سویر سے آستانہ یار تک آیا ہوں ۔ آج آپ کا کسی اور سے تو وعدہ نہیں ؟
بے نظیر ، وعدہ تو آپ سے بھی ہے ۔
داروغہ ، بھئی تمہارے ہاں تو وعدوں کا لین دین ہے ۔ کمال یہ ہے کہ تمہیں یاد بھی ہے ۔

بہر حال آج میں مسلح ہوں۔

بے نظیر : تو کیا کل نہتے ہی آ گئے تھے؟

داروغہ : ہاں صاحب کل ہتھیار بھول آئے تھے۔ آج تیر کمان درست ہے۔

بے نظیر : یہ کیسے تیر انداز کہ فتراک تو ساتھ رکھیں اور تیر و ترکش ہی بھول جائیں؟ فرمائیے کون سی چیز سے شروع کروں؟ (پاندان کھولتے ہوئے) اے ہے کیسے لوگ ہیں، پاندان خالی پڑا ہے۔ کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ بازار سے چار پان خرید لاتا۔ (طبلچی پیسے لینے کے لئے بڑھتا ہے۔ لیکن منظور حسین جو اس اثنا میں آ چکے ہیں لپک کر خود پیسے لے لیتے ہیں اور پان لینے کے لئے پان کی دوکان پر آتے ہیں)

داروغہ : کیا یہ آپ کے عشاق میں ہیں؟

بے نظیر : بہت پرانے۔

داروغہ : پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

بے نظیر : کیا آپ فہرست رکھتے ہیں۔ آٹھ دس سال کے میرے آشنا ہیں۔ فقیری، گوشہ گیری اور خاموشی تو اب اختیار کی ہے۔ پہلے مالدار تھے۔ عشق کا اظہار الفاظ و اعمال سے کرتے تھے۔ یعنی محبت کے میدان عمل میں ہاتھ پاؤں، زبان، جسم کا ہر پرزہ کام آتا تھا۔ اب یہ صورت ہے کہ اپنے دل اور روح کے لحاف میں مجھے ڈھانپ دیا ہے۔

داروغہ : کیا کہنے ہیں۔ بڑے مزے ہیں آپ کے۔ رقابت تو محسوس نہیں کرتے؟

بے نظیر : اس منزل سے گذر چکے ہیں۔

داروغہ : کیا پاگل آدمی ہے؟ باتیں تو سمجھ لیتا ہے۔

بے نظیر : منظور حسین ان کا نام ہے۔ لیکن اب نام سے پکاریئے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔

داروغہ : کیوں؟

بے نظیر : کون جانے، شاید اپنے نام سے نفرت ہو گئی ہے، دماغ درست معلوم ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اپنے ماحول سے بیزار ہیں۔ مگر ایک دن پھر بولنا شروع کر دیں گے جب ماحول بہتر ہو جائے گا۔ (منظور حسین پان والے کے ہاں سے پان لا کر رکھ دیتے ہیں۔ بے نظیر پان لگاتی ہے)

نظر آتے ہیں

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی ان کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لائے لا
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہے بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے اور اُلٹا ہے جوں توا
گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بد شکل و بد نما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مُردے کے کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
یہ آدمی ہی کرتے ہیں سب کام دلپذیر
یاں آدمی مُرید ہیں اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیرؔ
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

گانے والوں کی آواز اور سازوں کی صدا یکبارگی بہت اونچی اٹھتی ہے
اور بہت تیزی سے پردہ گر جاتا ہے